(المباح والمحظور)

المعروف

مذاکرہ علمی

امیر اہلسنت علامہ سید محمود احمد رضوی [illegible]

امیر مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر ادارہ تعلیمات رضویہ لاہور

☆☆☆☆☆☆

المباح والمحظور

المعروف

مذاکرہ علمی

علامہ سید محمود احمد رضوی قدس سرہ العزیز محدث لاہوری

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

علامہ سید محمود احمد رضوی کی معرکتہ الآراء تالیف جس میں تہذیب وتمدن، اخلاق ومعاشرت ومعاملات زندگی کے متعلق کتاب وسنت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے ہر بات دلائل شرعیہ سے مزین۔

ناشر ادارہ تعلیمات رضویہ لاہور

نام کتاب.......... المباح والمحظور المعروف (مذاکرہ علمی)

مصنف

شیخ الحدیث امیر اہلسنت **حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی** محدث لاہوری

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر.......... ادارہ تعلیمات رضویہ لاہور

ترتیب وتدوین.......... محمد انفر صدیق خواجہ

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ.......... جاوید انجم گورائیہ

تعداد.......... 1100

قیمت..........

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ نوریہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور

اسلام بکڈپو گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور

حسنِ ترتیب

تعارف مصنف

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت آگرہ (انڈیا) میں ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔ آپ کا شجرہ نسب امام ہشتم حضرت بن علی رضا مشہدی سے جاملتا ہے علمی اور روحانی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اسی میں نشوونما پائی درس نظامی کی ابتدائی کتابیں آمد نامہ وغیرہ اپنے جد امجد سید المحدثین اساتذہ سے پڑھیں شرح تہذیب اور مختصر المعانی وغیرہ کتب منطقی بابا حضرت مولانا محمد دین بدھوی سے ملا حسن تفسیر بیضاوی وغیرہ کتب ملک المدرسین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔

درس حدیث اپنے والد گرامی مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ سے لیا ۱۹۴۷ء میں دار العلوم حزب الاحناف لاہور کے سالانہ جلسے میں آپ کی دستار بندی، کرائی گئی۔

حضرت علامہ رضوی مدظلہ نے ۷ جون ۱۹۴۷ء کو موخر جریدہ ''رضوان'' جاری کیا جو ابتدا ہفت روزہ تھا، پھر پندرہ روزہ ہوا بعد ازاں ماہنانہ کی صورت میں شائع ہوا بحمدہ تعالیٰ آج تک شائع ہو رہا ہے۔

اس خاندان کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ جب بھی ملی اور ملکی مسئلہ پیش آیا یہ حضرات راہنمائی میں پیش پیش رہے۔ تحریک پاکستان میں دار العلوم حزب الاحناف لاہور کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔

۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس کے باغ فاطماں میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس تحریک پاکستان کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس اجلاس میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری علماء پنجاب کے وفد کے ہمراہ شریک ہوئے اس وفد میں علامہ سید محمود احمد رضوی بھی شامل تھے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو پاکستان کے کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے اور انھیں غیر مسلم

اقلیت قرار دیا جائے علامہ محمود احمد رضوی نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے پمفلٹ چھاپ کر فوج اور پولیس کے نوجوانوں میں تقسیم کئے اور انھیں تحریک کے مقاصد سے آگاہ کیا۔

حضرت علامہ رضوی نے غیر ممالک کے تبلیغی دورے بھی کئے ہیں۔ آپ کی دینی، علمی اور ملی خدمات کی بنا پر حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ امتیاز بھی دیا۔ آپ تقریباً سات سال تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے بلا مقابلہ چیئر مین بھی رہے اور ۱۹۸۱ء سے ۳۱ اپریل ۱۹۸۴ء تک اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے آپ نے ممالک اسلامیہ کا بھی دورہ کیا اور تین حج اور ایک عمرہ کی سعادت بھی حاصل کی۔ علامہ رضوی جہاں دقیق النظر محدث، نکتہ رس فقہ اور صاحب طرز ادیب اور قادر الکلام خطیب بھی تھے، ان کی تقریر علم وفضل، سنجیدگی اور متانت کا بہترین مرقع ہوتی تھی۔

علامہ رضوی نے زمانے طالب علمی میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا فارغ التحصیل ہونے کے بعد دار العلوم حزب الاحناف میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور درس نظامی کی اکثر کتب پڑھاتے رہے۔ اس کے ساتھ انھوں نے تصنیف وتالیف اور دار العلوم حزب الاحناف کی تعمیر واستحکام کا سلسلہ بھی جاری رکھا علامہ رضوی کی تمام تصانیف، علم وتحقیق کا منہ بولتا ثبوت اور عوام وخواص کے لیے مفید ہیں اور علمی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں ان کی سب سے اہم تالیف بخاری شریف کی شرح فیوض الباری ہے جس کے اب تک دس پارے، پانچ جلدوں میں شائع ہو کر مقبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں خصائص مصطفےٰ جامع الصفات، روح ایمان شان مصطفیٰ، مقام مصطفیٰ معراج النبی علم غیب رسول بصیرت، لمحات فکر دین مصطفیٰ شان صحابہ، چراغ ہدایت، مسائل نماز، روشنی، اسلامی تقریبات، جواہر پارے، فتاوی برکات العلوم سیدی ابو البرکات آپ کی مشہور مقبول تصانیف ہیں۔

علامہ سید محمود احمد رضوی کو اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادیاں اور سات صاحبزادے عطا فرمائے ہیں۔

صاحبزادوں میں سید مصطفیٰ اشرف رضوی بڑے ہونہار اور باصلاحیت نوجوان ہیں جن کے بارے میں توقع کی جاتی ہے کہ وہ انے قابل صد فخر آباؤ اجداد کے مسند نشین ہوں گے۔

علامہ رضوی نجیب الطرفین سید ہیں اور سیدنا امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔اس لیے علامہ رضوی اپنے نام کے ساتھ رضوی لکھتے ہیں اور سلسلہ اشرفیہ میں مرید وخلیفہ ہیں نیز آپ کو سلسلہ اشرفیہ کے موجودہ سجادہ نشین صدر شریعت حضرت ابوالمسعود شاہ سید محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف انڈیا نے بھی اپنی خلافت سے ازالہ ہے۔

آخر میں یہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ سید محمود احمد رضوی کا سلسلہ حدیث ایک واسطہ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تک پہنچتا ہے کیونکہ آپ کے والد ماجد قدس سرہ کو امام احمد رضا بریلوی سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔(اور امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ تک صرف چار واسطے۔۱۔استاد العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب رضوی قادری اشرفی۔۲۔امام المحدثین حضرت مولانا ابومحمد سید دیدار علی شاہ صاحب رضوی قادری فضل رحمانی۔ ۳۔قطب وقت شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی۔۴۔سراج الہند شیخ الحدیث حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

عمر کے آخری سالوں میں علامہ رضوی علیل ہوئے۔بالآخر علم وحکمت کا یہ آفتاب جمعرات رجب المرجب بمطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۹ء غروب ہوگیا۔آپ کی وفات کی خبر جب ریڈیو اور ٹی وی پر نشر ہوئی تو دنیا بھر کے مسلمان غم وافسوس سے لبریز ہوگئے۔دوسرے دن آپ کی نماز جنازہ ناصر باغ میں ادا کی گئی۔ آپ کی نماز جنازہ میں ملک بھر سے ہزاروں علماء ومشائخ اور عوام نے شرکت کی۔علامہ رضوی کو آپ کے عظیم المرتبت والد مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کے پہلو میں جامعہ حزب الاحناف میں دفن کیا گیا۔

حضور کی توہین کرنے والا کافر ہے:

وَلَوْ قَالَ لَشَعْرِ مُحمدٍ شُعَیر ایکُفر اِنْ قَالَ بِطَّرِیقِ اھَانَۃِ (خلاصہ ۳۸۶)

ترجمہ: حضور علیہ السلام کے موئے مبارک (شعر) کو نبیت توہین (شعیر) کہنے والا کافر ہے۔

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک میں اپنا ایک بال لیے فرمایا۔

مَنْ اَذیٰ شِعرۃ من شعری فالجنۃ علیہ حَرَام" (جامع صغیر ج ۲ صفحہ ۱۴۵)

ترجمہ: جس نے میرے ایک بال کی بے ادبی کی اس پر جنت حرام ہے۔

☆ جس شخص نے حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی توہین کی گالی دی۔ آپ کی ذات ستودہ صفات واوصاف حمیدہ میں عیب نکالا۔ تنقیص شان کی یہ فعل قصداً عمداً سہواً ہو یا بھول چوک سہو ونسیان۔ ہنسی و مذاق کے طور پر ہو۔ توہین کرنے والا ذمی ہو یا حربی کسی بھی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو بہر حال بہر صورت ایسا شخص کافر و مرتد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

فَقَدْ کفر خلوداً بحیثُ اِنْ تابَ لَمْ یُقبَلْ توبتہ لا عِند اللّٰہِ وَلاَ عِندَ النَّاسِ (محیط)

ابدی ازلی جہنمی ہے توبہ کرے تو اس کی توبہ (عنداللہ وعندالناس) نامقبول ہے۔

متقدمین ومتاخرین فقہاء وآئمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے۔

وَحُکمُہ فِی الشَّرِیعۃِ المطھرۃِ القتل قطعاً (خلاصۃ الفتاوی ج ۴ صفحہ ۳۸۶)

ترجمہ: کہ ایسا شخص واجب القتل ہے۔

وَمَنْ سَبَّ رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اونیقصہ کان فیہ ردۃ (شرح طحاوی)

جس نے (نا اعوذ باللہ) حضور کو گالی دی یا آپ کی تنقیص شان کی وہ کافر و مرتد ہے۔

بادشاہ اسلام اور اس کے نائب کو یہ جائز نہیں ہے ایسے شخص کے قتل میں مداھنت سے کام لے۔

ولا یداھن السلطانُ و نائبہ فی حُکمِ قتلہ. خلاصۃ الفتاوی ج ۴ صفہ ۳۸۶

درود ابراہیمی سب سے افضل درود ہے: درود وہ افضل ہے جو سب اعمال سے افضل یعنی نماز میں مقرر کیا گیا (فتاوی ج ۳ صفحہ ۱۲) (۲) جو وظیفہ پڑھے اور نماز نہ پڑھے فاسق وفاجر مرتکب کبائر ہے اس کا وظیفہ اس کے منہ پر مارا جائے گا ایسے ہی کو حدیث میں فرمایا رب تالی القرآن یلعنہ بہتیرے قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن انہیں لعنت کرتا ہے۔ (فتاوی رضویہ جلد ۳ صفحہ ۸۲ تالیف اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ)

بلند آواز سے ذکر افضل نہیں: زید بعد ہر نماز جماعت قبل از مانگنے دعا۔ ایک مرتبہ کلمہ توحید بعد مانگنے دعا کلمہ طیبہ تین مرتبہ اور ایک مرتبہ کلمہ شہادت باآواز بلند بہ نیت حاضرین پڑھا کرتا ہے۔ فعل اس کا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب جائز ہے۔ مگر حاضرین کو ان کی خوشی پر رکھا جائے مجبور نہ کیا جائے۔

(۲) فرض کے بعد سنت سے قبل مناجات کرنا جائز و درست تو مطلقاً ہے مگر فصل طویل مکروہ تنزیہی وخلاف اولیٰ ہے اور فصل قلیل میں اصلاً حرج نہیں۔ (فتاوی ج ۳ صفحہ ۸۶) (۳) درود شریف ذکر ہے۔ ذکر بالجہر جائز ہے جبکہ نہ ریا ہو۔ نہ کسی نمازی یا مریض۔ یا سوئے کی ایذا۔ نہ کسی اور مصلحت شرعیہ کا خلاف۔ (ج ۳ صفحہ ۸۶ فتاوی رضویہ مصنف اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمہ)

درود شریف خواہ کوئی وظیفہ باآواز بلند نہ پڑھا جائے: جبکہ اس کے باعث کسی نمازی یا سوئے۔ یا مریض کی ایذا ہو یا ریا آنے کا اندیشہ ہے اور اگر کوئی محذور نہ موجود ہو نہ مظنون تو عند التحقیق کوئی حرج نہیں تاہم اخفا افضل ہے (صفحہ ۸۵۔ فتاوی رضویہ مصنف اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ)

دعاء امام اور مقتدی: عمرو کہتا ہے اگر امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی امام کی اطاعت سے نکل گیا۔ اب مقتدی کو اختیار ہے کہ وہ انتظار دعا امام کرے یا نہ کرے اگر انتظار کیا فبہا۔ ورنہ چلے آنے سے گنہگار نہ ہوگا۔

الجواب: عمرو کا قول صحیح ہے۔ ہاں جماعت کے ساتھ دعا میں برکت ہے اس کے لیے انتظار بہتر ہے اگر کوئی ضرورت جلدی کی ہو تو جا سکتا ہے کوئی حرج نہیں ج ۳ صفحہ ۶۵ فتاوی رضویہ مصنفہ اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمہ)

نماز کے بعد دعا: ثابت ہے اور تسبیح حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی صحیح حدیثوں میں آئی ہے صبح و عصر کے بعد سنتیں نہیں ان کے بعد ذکر طویل کا موقع ہے مگر مسلمانوں میں رسم یہ پڑ گئی ہے اور ضرور محمود ہے کہ بعد

اسلام امام کے ساتھ دعا مانگتے ہیں اور اگر وہ دعا میں دیر کرے منتظر رہتے ہیں۔ان کے ساتھ دعا مانگنے کے بعد متفرق ہوتے ہیں۔اس حالت میں تسبیحات کی تقدیم اگر خوب تحقیق سے ثابت ہو کہ ان میں کسی ایک فرد پر بھی ثقیل نہ ہوگی تو کچھ حرج نہیں۔ ورنہ یہی طریقہ بہتر ہے کہ خفیف دعا مانگ کر فارغ کر دے پھر جس کے جی میں آئے تسبیحات میں شامل رہے۔(صفحہ ۸۶ فتاوی رضوی ج ۳۔ مصنفہ اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمہ۔)

عمامہ ٹوپی اور نماز: بحالت نماز ٹوپی گر جائے تو اٹھالینا افضل ہے جبکہ بار بار نہ گرے اور تذلیل وانکسار کی نیت سے سر برہنہ رہنا چاہیے۔تو نہ اٹھانا افضل ہے:۔(صفحہ ۴۱۶ ج ۳) (۲) اگر مقتدی عمامہ باندھے ہوں اور امام فقط ٹوپی پہنے تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ صورت مستفسرہ میں صرف ترک اولیٰ ہوا۔تو اس سے کراہت لازم نہیں آتی۔ تاوقتیکہ اس کا ثبوت کسی خاص دلیل شرعی سے نہ ہو ورنہ نماز چاشت واشراق وغیرہما ہر مستحب کا ترک مکروہ ٹھہرے اور یہ صحیح نہیں (صفحہ ۴۲۷) اگر ننگے سر نماز بہ نیت تواضع دعاجزی ہو تو جائز ہے۔(صفحہ ۴۴۹)

(۳) عمامہ مستحبات نماز سے ہے اور ترک مستحب سے خلل در کنار کراہت بھی نہیں آتی (ج ۳ صفحہ ۴۵۱) نیز خالی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے)(از اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)



سوال و جواب

نابالغ بچہ اور روزہ: اس میں ہمارے مولوی صاحب نے مسئلہ بیان کیا ہے کہ والد کے لیے یہ واجب ہے کہ جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اس کو مار کر روزہ رکھوائے۔ میں نے کہا اگر بچہ نہ رکھے تو بھی تو انھوں نے جواب دیا طاقت نہ ہونے کا عذر تو بالغ بھی کر سکتا ہے تو کیا وہ روزہ نہ رکھے۔ (محمد رفیق بی۔اے سکھر)

الجواب: ہمارے مقدس رسول کا دین اسلام آسان ہے۔ اس میں شدت نہیں ہے۔ خطیب صاحب نے مسئلہ غلط بتایا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ پر احکام شرع جاری نہیں ہوتے۔ اگر وہ بے عذر بھی روزہ نہ رکھے، نماز نہ پڑھے تو اسے گنہگار نہیں کہیں گے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **رفع القلم عن ثلثۃ الخ ومن الصبی حتیٰ یحتلم:** لیکن بایں ہمہ جب بچہ آٹھویں سال میں قدم رکھے تو ولی (باپ وسربراہ) پر لازم ہے کہ اس کو نماز روزے کا حکم دے تا کہ اس کو عادت پڑے اور وہ عبادات سے مانوس ہو اور جب گیارھویں سال میں قدم رکھے تو ولی پر واجب ہے نماز روزہ ادا نہ کرنے پر مارے۔ مگر یہ مارنے کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ نابالغ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور روزہ اس کی صحت کو مضر نہ ہو اور اگر ایسا کمزور ہے کہ روزہ کی طاقت نہیں رکھتا یا روزہ اس کو ضرر دیتا ہے تو بچہ کو مار پیٹ کر روزہ رکھوانا جائز نہیں (۲) اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو یہ ایسی زیادتی ہے جو شارع علیہ السلام کو مطلوب نہیں ہے۔ پھر واجب سے بھی یہاں اصطلاحی واجب مراد ہے کہ حدیث ظنی ہے۔ ردالمختار میں ہے:

لا بمعنی الافترا ض لان الحدیث ظنی فانبھم. قال الرازی تومر الصبی اذا طاقہ ھذا افالم یضر الصوم ببدنہ فان اضر لایوم بہ : (عالمگیری) حیرانی ہے کہ آپ کے مولوی صاحب بحالت عذر شرعی بھی افطار کی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ یہ اجازت تو قرآن مجید کی النص صریح سے ثابت ہے۔

بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرض ایسا ہو کہ جان جانے یا مرض بڑھنے یا دیر سے اچھا ہونے کا اندیشہ ہو یا حاملہ یا دودھ پلانے والی کو جب اپنی ذات یا بچہ کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بالغ مسلمان کو بھی رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے چہ جائیکہ نابالغ۔ ہاں بالغ کے لیے یہ ضروری ہے کہ جتنے روزے عذر کی وجہ سے چھوٹے ہیں ان کی قضا کر لے اور نابالغ کے لیے تو قضا و ادا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **واللہ اعلم۔**

مستورات کو مصنوعی بالوں کا استعمال کرنا جائز ہے؟ آج کل مستورات مصنوعی بالوں سے بنی ہوئی چوٹیاں استعمال کرتی ہیں۔اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟ ہمارے خطیب صاحب کہتے ہیں یہ سنت نصاریٰ ہے۔اس لیے حرام وممنوع ہے۔جواب مدلل دیا جائے۔(عبدالبید سیالکوٹ)

الجواب: حرام وحلال کے معاملہ میں میری تیری رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔حرام وممنوع وہ ہے جسے اللہ ورسول حرام قرار دیں کہ پوری کائنات میں صرف اور صرف ایک ہی ایسی ہستی مقدس ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر ونہی کا مظہراتم ہے اور جس کا نام نامی اسم گرامی محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہے ان کی رائے بھی معصوم، زبان بھی معصوم، قلم بھی معصوم، قول بھی معصوم اور وہ خود بھی معصوم، حتی کہ ان کی عصمت کا یہ عالم ہے کہ حالت فرح وسرور ہو یا غم وغصہ، ہر حالت اور ہر صورت میں ان کی زبان اقدس سے حق ہی ظاہر ہوتا ہے۔ان کی زبان فیض ترجمان پر ناحق آنا محال و ناممکن ہے کہ جیسے قرآن میں باطل نہ آگے سے آسکتا ہے۔اور نہ پیچھے سے، ایسے ہی زبان نبی پر ناحق کا جاری ہونا محال ہے۔قرآن کا اعلان ہے:"ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ"۔اس لیے حلال وحرام کے معاملہ میں ذاتی رائے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَعَنَ اللّٰہُ الواصِلَةَ وَالْمُسْتَوصِلَةَ۔بال ملانے والی اور ملوانے والی دونوں پر اللہ کی لعنت (بخاری)

یقول و تناول قُصةً من شعر بید حرسی این علماؤ کم سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینھیٰ عن مثل ھذا و یقول انما ھَلکتْ بنو اسرائیل حین اتخذ ھٰذاہ نساؤھم (بخاری)

ترجمہ: جس سال حضرت معاویہ نے حج کیا، مدینہ تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر بالوں کا گچھا جو سپاہی کے ہاتھ میں تھا لے کر کہا۔اے اہل مدینہ تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور ﷺ اس سے منع فرماتے تھے۔یعنی (بال ملانے سے) اور حضور ﷺ یہ فرماتے تھے۔کہ بنی اسرائیل اسی وقت ہلاک ہوئے جب ان کی عورتوں نے یہ کرنا شروع کر دیا (ابوداؤد)...... یہ اور اسی مضمون کی متعدد حدیثوں سے واضح ہے۔عورتوں کو انسانی بالوں کا اپنے بالوں سے ملانا ممنوع ہے۔اور حدیث میں:"ان عورتوں پر لعنت آئی "ہے۔بلکہ اس پر بھی جو انسانی بالوں کے ملانے کا کام کرے۔عموماً یہ فعل عورتیں اس لیے کرتی ہیں تاکہ بال گھنے اور لمبے معلوم ہوں۔بہرحال وجہ ممانعت کچھ بھی ہو جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے تو اس کا ممنوع

وناجائز ہونا واضح ہے۔ رہا یہ کہ نائلون یا اسی نوع کی کسی چیز سے بنے ہوئے مصنوعی بال ملانا یا لگانا یا خنزیر کے سوا کسی جانور کے بالوں کا اپنے بالوں سے ملانا، تو اس کے ممنوع ہونے کے متعلق کوئی دلیل شرعی نہیں ملتی۔ اون سوت اور کپڑے کی چوٹیوں کا رواج تو پہلے ہی سے ہے اور آج کل نائلون یا اسی نوع کی کسی چیز کے مصنوعی بالوں کی چوٹیاں عام مل رہی ہیں اور مستورات انہیں استعمال کر رہی ہیں یہ سب جائز و مباح ہیں۔ انہیں سنت نصاریٰ کہہ کر ممنوع قرار دے دینا زیادتی ہے۔ اگر محض اپنی ذاتی رائے کے مطابق سنت نصاریٰ کا چکر چلا کر حرمت و ممانعت کا فتویٰ دیا جائے تو ہمارے معاشرہ کی اسی فیصد چیزیں اور اعمال ممنوع و حرام قرار پائیں گے۔ کیونکہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں کافروں، یہودیوں اور عیسائیوں کے رسم و رواج و معمولات تمدنی سے وہی ممنوع ہے جو ان کا شعار اور علامت مذہب ہو یا پھر وہ امور ممنوع ہیں جن کو کتاب وسنت نے حرام وناجائز قرار دیا ہو۔ مصنوعی بالوں کو محض اس لیے حرام قرار دے دینا کہ یہودی وعیسائی عورتیں بھی مہیا کرتی ہیں، درست نہیں۔ حدیث میں عورتوں کو انسانی بالوں کو اپنے بالوں سے ملانے پر لعنت آئی ہے۔ اس لیے نائیلون یا کسی جانور کے بال استعمال کرنا جائز و مباح قرار پائیں گے...... چنانچہ علامہ بدر الدین عینی حنفی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے اس مضمون کی احادیث پر تبصرہ کرتے ہوئے اس امر کی وضاحت فرمائی ہے۔

باب الوصل فی الشعر ...... یعنی الزیادۃ فیه بشعر اهراء و نقل ابو عبید عن کثیر من الفقهاء ان اطنع فی ذالک و صل الشعر بالشعر و امام اذا وصلت شعر ها بغیر الشعر من خرته وغیرها فلا یدخل فی النبهی و به قال اللیت وروی ذالک عن ابن عباس و ام سلمته ام المومنین و عائشه رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم.

نیز شامی و عالمگیری وغیرہ کتب فقہ حنفی میں یہ بات بڑی وضاحت سے بیان کی گئی ہے کہ ممانعت صرف انسانی بالوں سے ملانے کی ہے۔ خواہ وہ عورت کے اپنے بال ہوں یا کسی اور انسان کے بال ہوں۔ لیکن انسان کے علاوہ کسی جانور یا کسی چیز کے بال ملائے تو یہ مباح ہے۔

ا. ووصل الشعر بشعر الادمی حرام سوا کان شعر ها اوشعر غیرها کذافی الاختیار شرح المختار و لا باس للمراۃ ان تجعل فی قرونها و ذوائبها شیاءً من الوبر کذا فی فتاویٰ قاضی خان. عالمگیری (صفحہ ۳۵۸)

۲. ووصل اشعر بشعر الادمی حرام سواء کان شعرھا اوشعر غیرھا لقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم لعن اللّٰہ الواصله واطستوصله (وجیز کردری)

۳. لکن فی التتار خانیه واذا وصلت المراۃ شعر غیرھا بشعرھا فھو مکروہ و انما الرخصة فی غیر شعر بنی آدم تتخذہ المراۃ لتزید فی قرونھا و ھو مروی عن ابی یوسف و فی الخانیة ولا باس للمراء ۃ ان تجعل فی قرونھا شیا من الوبر (ردالمختاری شاھی۔جلد۵صفحہ۲۶۴)

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت نے کسی انسان کے بال اپنے سر کے بالوں کے ساتھ ملا لیے تو اس حالت میں اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ تو جواز صلوٰۃ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔لیکن عالمگیری میں یہ تصریح ہے کہ مختار یہ ہے کہ نماز، جائز و درست ہوگی۔

۴. و فی جواز الصلوٰۃ المراء ۃ مع شعر غیر ھا الموصول اختلاف بینھم و المختار انه یجوز کذا فی الغثائیه. (عالمگیری صفحہ۲۵۸ج۱۰)

ترجمہ: یعنی جواز صلوٰۃ میں فقہاء کا اختلاف ہے لیکن مختار یہ ہے کہ نماز جائز قرار پائے گی۔

مسئلہ کتابت اور قرآنی آیت کا عموم و اطلاق: آپ نے مذاکرہ علمی حصہ سوم میں لکھا ہے کہ اذا تداینتم بدین الی اجل مسمیٰ فاکتبوہ آیت قرآنی میں (لکھنے) کا حکم مرد و عورت دونوں کے لیے ہے اور اگر ممانعت پر خبر احاد کا صحیح ہونا ثابت بھی ہو جائے تو عورت کو خاص کرنا خبر احاد سے جائز نہیں ہے۔ یہ بات آپ نے کہاں سے لکھی ہے۔

الجواب: یہ بات تمام اصول کی کتابوں میں موجود ہے کہ قرآن پاک کے عموم اطلاق کو خبر واحد یا قیاس سے خاص و مقید کرنا درست نہیں ہے۔

رہا یہ کہاں سے لکھا ہے تو آپ جیسے حضرات کو تفہیم کے لیے عرض ہے کہ یہاں سے لکھا ہے مفتی احمد یار خاں صاحب قبلہ مرحوم اپنی تالیف جاء الحق میں تحریر فرماتے ہیں۔

۱۔ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب. اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔اس آیت اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ ہر حال میں ذکر الٰہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے یا آہستہ سے اب کسی موقع پر کسی ذکر

سے ممانعت کرنے کے لیے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے، لہذا ہر طرح جائز ہوا۔ محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے۔ (جاء الحق صفحہ ۳۵۸) فرمایئے! مسئلہ رڑے چڑھا؟ اس کا ثبوت اصول کی کتابوں کے حوالے سے بھی پیش کر دیتا، مگر آپ لوگوں کے ہاں جاء الحق نور الانوار اور اصول شاشی سے شاید زیادہ معتبر ہے۔ اس لیے جاء الحق کا حوالہ دیا ہے۔

کھال کی ٹوپی: رضوی صاحب! آپ جو کھال کی ٹوپی پہنتے ہیں (قراقلی) یہ جائز ہے۔ (عبدالحفیظ قادری)

الجواب: خنزیر کی کھال کے سوا تمام حلال وحرام جانوروں کی کھال کا (دباغت کے بعد) استعمال جائز و مباح ہے۔ خواہ وہ استعمال ٹوپی، قمیض، شلوار، پتلون، کوٹ، چسٹر، صدری، شیروانی، پاجامہ کی صورت میں ہو یا بچھانے اوڑھنے کی شکل میں۔ یہ مسئلہ تو عام فقہ کی کتابوں میں موجود ہے اور رضوی کی ٹوپی کو جو جناب نے نشانہ بنایا ہے تو خاص اس کے جواز کا جزیہ یہ ہے۔

۱. وعن ابی حنیفة رحمته الله تعالیٰ لا باس یلبس القلنسوة الثعالب کذا فی المبسوط (عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۳۳)

ترجمہ: یعنی سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لومڑی کی کھال کی ٹوپی پہننا جائز ہے۔ (کچھ حرج نہیں)

۲. و کان علی ابو حنیفه رحمه الله تعالیٰ سنجاب و علی اضحاک قلنسوة سمور کذافی الغیاثیه (عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۳۳)

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سنجاب پہنے ہوئے اور امام ضحاک سمور کی کھال کی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے۔

۳. عن ابی حنیفه انه قال لا باس بالفرو من اسباع کلها و غیر ذالک من المیتة المدبوعة و المذکات و قال ذکاتها و باغها کذافی المحیط. (عالمگیری صفحہ ۳۳۳ ج ۵ روجیز کودری)

ترجمہ: یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ سے ہے کہ کہ سباع (یعنی شیر چیتے بھیڑیے ریچھ) فرو کی کھال کے

(ملبوسات) وباعت کے بعد استعمال کرنے میں حرج نہیں اور کھال دھونے کے بعد پاک ہے۔ محیط دوجیز کردری میں بھی یہ لکھا ہے اور اگر آپ خالی ٹوپی پہننے کے جائز ہونے کا جزیہ چاہیں تو وہ یہ ہے:۔

۴. ولا باس يلبس اقلانس وقد صح انه صلى الله عليه وسلم كان يلبسه كذا فى وجيز الكردرى. (عالمگیری صفحہ ۳۳۰ ج ۵)

ترجمہ: اور ٹوپی پہننا جائزہ ہے اور یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ٹوپی پہنی ہے۔

لاباس کا مطلب: اب آخر میں یہ بھی بتادوں کہ فقہاء کرام جس فعل یا چیز کے متعلق لاباس کا لفظ استعمال فرمائیں تو اس سے ان کا مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس فعل کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق شریعت کی جانب سے نہ سختی ہے نہ شدت اور نہ ممانعت۔ اور یہ کہ کام جائز ہے جیسے ان کے کرنے پر ثواب نہیں ہے۔ ایسے ہی گناہ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے۔ (۱)

کیا اجتہاد آزادانہ رائے کا نام؟ ۱۔ اسلامی احکام دو قسم کے ہیں۔ تعبدی اور غیر تعبدی۔ یعنی ایک اخروی دوسرے دینوی تو دینوی احکام میں زمانہ و ماحول کے تقاضوں اور مصلحتوں کے مطابق آزادانہ رائے کو استعمال کرنا چاہیے۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں؟

۲۔ کیا قرآن مجید سے ذاتی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے۔

الجواب: ایسا معلوم پڑتا ہے یہ سوال آپ کا نہیں ہے۔ کسی اور صاحب نے آپ کے ذریعہ پوچھا ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو عرض یہ ہے جس رسالہ میں آپ نے ماڈرن مولوی پڑھا ہے۔ یقین مانئے اس کا مدیر (غلو وتشدد کا مریض ہے) وہ فروعی واصولی میں فرق نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک وہ مسائل جو فقہہ حنفی سے بھی منصوص نہ ہوں کے متعلق سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقرر کردہ منہاج کی روشنی میں کوئی رائے دینا، یا خاص مسائل فروعی میں اختلاف کرنا ایسا ہی جرم ہے جیسے شراب وزنا کو معاذ اللہ حلال و جائز کر دینا۔ اس بنا پر جس معنی میں اس نے راقم کو

(۱) (لاباس) من البوس اى الا شدة عليه من جهة الشرع و من الباس وهو الجراء اى لا جراء ة فى مباشرته لانه امر مشروع و فى هذا دلالة على ان فاعله لا يوجر و لا ياثم به (حموى عن المفتاح)

ماڈرن قرار دیا ہے یہ اس کی مخبوط الحواسی کا شاہکار ہے...... ہاں اگر آپ مجھے اس معنی میں ماڈرن کہیں کہ راقم مستحب کو واجب، سنت موکدہ کو فرض، مکروہ تنزیہہ کو حرام کہنے کے لیے کسی قسمت پر تیار نہیں ہے تو اس پر مجھے نہ صرف فخر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ مجھے اس حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بہر حال آپ کے سوالات کے جوابات یہ ہیں:۔

ا۔فقہاء اسلام نے تعبدی اور غیر تعبدی کی تقسیم تو کی ہے مگر سوال میں اسے جو رنگ دیا گیا ہے۔اور غیر تعبدی امور کو محض ایک دنیاوی فعل قرار دیا گیا ہے۔شرعاً بھی غلط ہے اور واقع کے بھی خلاف ہے اور مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔کیوں؟ اس لیے کتاب وسنت کے تمام احکام خواہ تعبدی ہوں یا غیر تعبدی زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق ہوں لابدی اور دائمی ہیں۔یعنی عقائد، عبادات، معاشرت، معاشیات اور سیاست سے متعلق قرآن وحدیث نے جو احکام و مسائل واضح طور پر بیان کیے ہیں اور ان کی جو کیفیت نوعیت حدود اور حدیں کتاب وسنت نے واضح طور پر بیان کر دی ہیں ان میں اپنی ذاتی رائے سے ترمیم واضافہ، قطع وبرید قطعاً حتماً جائز نہیں۔دین اسلام کامل ومکمل دین ہے۔مذہب نہیں ہے اگر کتاب وسنت کے واضح وصریح اصولی وبنیادی امور واحکام میں ترمیم واضافہ کا جواز مان لیا جائے اور وہ بھی صرف اپنی ذاتی رائے سے تو پھر دستور اسلامی کے کامل ومکمل اور ابدی ودائمی دین ہونے کے عقیدہ کی تو کوئی حیثیت ہی نہ رہے گی...... ہاں یہ بالکل علیحدہ چیز ہے کہ خود شارع علیہ السلام نے اپنے بعض احکام ومسائل اس کیفیت سے بیان کیے ہوں کہ ان میں وسعت یا لچک موجود ہو یا بعض خاص صورتوں اور حالتوں میں احکام منصوصہ حلال وحرام پاک وناپاک کے متعلق رعایت دی ہو۔مگر خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ایسے وہ احکام جو خود شارع علیہ السلام نے ایسے انداز والفاظ میں پیش فرمائے ہوں کہ ان میں وسعت یا لچک موجود ہو یا وہ احکام منصوصہ جن میں (بعض خاص صورتوں اور حالتوں میں رعایت وتخفیف قواعد شرعیہ سے واضح وثابت ہو تو اس وسعت، لچک یا رعایت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے مگر اس رعایت سے فائدہ اٹھانے کے متعلق یہ کہنا جہالت وحماقت ہے کہ اسلام کے بنیادی واصولی امور اور کتاب وسنت کے منصوص احکام میں اپنی ذاتی رائے سے کتر بونت اضافہ وترمیم کرنا جائز (ا) ہو گیا۔یا ان قواعد و ضوابط سے کام لے کر تخفیف کا حکم لگانے والے طعن کرنا اور یہ کہنا کہ لو جی اب تو قرآن وحدیث سے منصوص حرام بھی

(ا) کیونکہ مرض، حرج، اضطرار، عموم بلوی کے ماتحت تخفیف یہ بات تو خود قرآن مجید سے واضح وصریح طور پر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حلال و جائز ہو گئے، بالکل مجہول بات ہے اور محض مغالطہ دینا ہے۔ مجھے اس وقت اس مسئلہ پر مکمل بحث منظور نہیں ہے۔ مگر چند ایسی مثالیں دیتا ہوں جو نہ صرف علماء بلکہ عام مسلمانوں کی زبانوں پر بھی جاری ہیں۔ جن سے آپ یہ سمجھ سکیں گے میں کہنا کیا چاہتا ہوں۔ غور سے پڑھیے۔

اول: خمر (شراب) اور خنزیر کا گوشت حرام قطعی ہے۔ قرآن سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ لیکن جب جان جانے کا خطرہ ہو اور کوئی حلال چیز کھانے پینے کو نہیں ملتی تو مردار، خمر، خنزیر، ان چیزوں کو کھا پی کر جان بچانا جائز بلکہ ضروری ہے کہ بغیر کھائے پیے مرجائے میں مواخذہ ہوگا۔

دوم: روزہ رمضان فرض ہے کہ قرآن سے ثابت ہے رمضان کے مہینہ میں روزہ نہ رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ مگر مرض کی حالت میں افطار جائز ہے، دوسرے دنوں میں قضا کرے۔ حتیٰ کہ دودھ پلانے والی عورت کو اگر یہ خطرہ محسوس ہو کہ روزہ سے دودھ سوکھ جائے گا، بچہ کو نقصان ہوگا تو اس کو بھی رمضان میں افطار کی اجازت ہے۔ دوسرے دنوں میں قضا کرے۔

سوم: سانپ وغیرہ مارنے کے لیے جبکہ ایذا کا اندیشہ صحیح ہو یا جانور بھاگ گیا اس کو پکڑنے کے لیے یا اپنے یا پرائے کا ایک درہم کے نقصان کا خوف ہو یا ایک درہم کی کوئی چیز چرا کر بھاگ جائے تو ان صورتوں میں نماز توڑ دینے کی اجازت ہے قضا کرے۔ اور اگر کوئی مصیبت زدہ فریاد کر رہا ہے یا کوئی شخص ڈوب رہا ہو یا آگ سے جل جائے گا یا اندھارا ہگیر کوئیں میں گرا چاہتا ہے تو ان صورتوں میں نماز توڑ دینا واجب ہے جبکہ انہیں بچانے پر قادر ہو۔

ثابت ہے۔ ماجعل علیکم فی الدین من حرج (الحج) ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (المائدہ) لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا (بقرہ) اور حضور علیہ السلام نے فرمایا لا ضرر و لا ضرار فی الاسلام (موطا و دار قطنی) الضرورت تبیح المحظورات (بیہقی) اور فقہا علیہ السلام نے فرمایا کلمہ اضاق الامراتسع، والحرج مدفوع بالنص۔ واضح رہے یہ ضابطہ بعینہ قرآن مجید کی آیت فی الدین من حرج کا مفہوم واضح ہے وعموم البلوی من موجبات التخفیف۔ واضح رہے کہ یہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قاضی شرع محمدی امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور عموم بلوی نجاست متفق علیہا میں بھی باعث تخفیف حتیٰ فی موضع النص القطعی کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر (فتاویٰ رضویہ جلد دوم) و عموم البلوی کما ھو جار فی باب الطھارۃ و النجاسۃ کذالک فی باب الاباحۃ و الحرمۃ۔ (احکام شریعت حصہ سوم)۔ لہذا ان قواعد شرعیہ سے فائدہ اٹھانے کے متعلق یہ کہنا احکام منصوصہ من الکتاب والسنۃ میں اپنی ذاتی رائے سے تغیر تبدل یا کتر بیونت و اضافہ ترمیم جائز ہو گیا انتہائی جہالت اور اصول و قواعد شرعیہ سے ناواقفی ہے۔ بہر حال اسلام میں کسی کی محض ذاتی رائے دین نہیں ہے۔ دین تو کتاب و سنت ہے۔

چہارم: ایسی بیماری ہو کہ وضو و غسل سے اس کے زیادہ ہونے یا دیر میں اچھا ہونے کا صحیح اندیشہ ہو تو ایسے شخص کو تیمم کر کے نماز پڑھ لینی جائز ہے، حالانکہ نماز کے لیے وضو فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان عورت کو گمان صحیح ہے کہ وضو کے لیے اٹھوں گی تو فلاں بدمعاش بے آبرو کر دے گا تو اسے تیمم سے نماز جائز ہے۔ جب موقع ملے وضو کر کے اعادہ کر لے۔

غور کیجئے! یہ اور اس قسم کی بیسیوں حالتیں ہیں جو فی موضع النص القطعی ہیں۔ اور حرج کی بنیاد پر حکم میں تخفیف ہے۔ راقم نے باریک اور عسیر الفہم مثالوں کی جگہ یہ واضح مثالیں صرف اس لیے پیش کی ہیں کہ عام قاری یہ سمجھ سکیں کہ مذکورہ بالا مثالوں میں کہیں فرض قطعی کا ترک ہے کہیں حرام ونجس کا استعمال جائز قرار پا رہا ہے تو یہ فی موضع النص القطعی اور فقہ اسلام سے عظیم وجلیل ضابطہ والحرج مدفوع بالنص کے ہی تحت ہے یعنی دفع حرج کی بنا پر مذکورہ بالا حالتوں میں ناجائز جائز قرار پایا ہے تو عرض یہ کرنا ہے کہ (والحرج مدفوع بالنص یا عموم بلوی فی موضع النص القطعی باعث تخفیف ہے) کے ماتحت جو تخفیف کا حکم فقہاء کرام دیتے ہیں۔ اس سے یہ استدلال کرنا جہالت ہے کہ قرآن وحدیث کے منصوص احکام میں اپنی ذاتی رائے سے ترمیم و اضافہ جائز ہے۔ اسی طرح حرج کے ضابطہ کے ماتحت فقہاء اسلام جن حالتوں اور باتوں میں تخفیف کا فتویٰ دیتے ان کے متعلق یہ کہنا کہ لعاب شراب وخنزیر بھی حلال و جائز ہو گیا انتہائی درجہ کی حماقت ہے۔ کیونکہ و الحرج مدفوع بالنص کا ضابطہ خود قرآن عزیز کی نص قطعی ما جعل علیکم فی الدین من حرج سے منصوص ہے۔ فافہم۔

بہر حال وہ احکام جو کتاب و سنت سے واضح و ثابت ہیں خواہ تعبدی ہوں یا غیر تعبدی۔
ان میں اپنی ذاتی رائے سے کام لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ حتی کہ مجتہدین کرام بھی صرف انہیں مسائل میں اجتہاد و قیاس کرتے ہیں جن کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی واضح حکم نہ ہو اور اجتہاد بھی محض ذاتی رائے کا نام نہیں ہے۔

امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کون آسمان اپنے زیر سایہ مجھے رکھے گا۔

ای سماء لظلنی و ای ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب اللہ برائی۔

ترجمہ: اور کون زمین مجھے اٹھائے گی۔ جب میں اللہ کی کتاب میں اپنی ذاتی رائے سے کچھ کہوں گا۔

اور امیر المومنین فاروق اعظم کا ارشاد حق ہے کہ اے لوگ رائے سے اصحاب رائے سے

ایاکم و اصحاب الرامی فانھم اعدا لاسنن اعلیتھم الاحادیث ان یحفظرھا فقالو بالرٰی (منھاج الاصول)۔

ترجمہ: بچو، کہ وہ سنت کے دشمن ہیں۔حدیث محفوظ رکھنے سے وہ عاجز ہیں۔اسی لیے اپنی رائے سے کہتے ہیں۔

غور فرمایئے:۔سیدنا صدیق اکبرو فاروق اعظم سے بڑھ کر کون مزاج شناس رسول ہوسکتا ہے۔اوران حضرات سے زیادہ دین اسلام کواور کون سمجھ سکتا ہے وہ بھی محض ذاتی رائے اور آزادانہ رائے دینے کوغلط ہی قرار دیتے ہیں کیونکہ قیاس آزادانہ رائے قائم کرنے کا نام نہیں بلکہ پیش آمدہ مسائل (جن کے متعلق کتاب وسنت خاموش ہوں) کوکتاب و سنت ہی کومعیار بنا کراور کتاب وسنت ہی کے منشاء کوظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔یوں سمجھ لیجئے کہ قیاس دوقسم کا ہوتا ہے محض ذاتی رائے کی کوئی حیثیت نہیں لیکن وہ قیاس جو کتاب وسنت ہی کومعیار بنا کر کیا جائے وہ محمود ہے شارع علیہ السلام کو مطلوب بھی ہے نورالانوار میں ہے۔

تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلة والحاق امر بامر فی الحکم الشرعی لاتحاد بین ھما فی العلة ھوا بانة فاختیر لفظ الا بانة والقیاس مظھرلا مثبت صفحہ۱۹

حکم اور علت میں فرق کواصل کے مطابق کرنا دومسئلوں میں علت کی وجہ سے جوحکم ایک مسئلہ کا ہے وہی حکم دوسرے مسئلہ کا قرار دینا، قیاس واجتہاد سے حقیقت ظاہرہوتی ہے لفظ ابانہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قیاس مظہراحکام ہے۔

یعنی احکام کا ثبوت ماخذ ومخزن تو کتاب وسنت ہیں اور قیاس واجتہاد مظہراحکام ہیں۔حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جناب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کویمن کا قاضی یا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا تم لوگوں کے فیصلے کیسے کروگے؟ عرض کی قرآن سے حضورﷺ نے فرمایا اگر قرآن میں کوئی حکم نہ ملے تو پھر؟ عرض کی سنت رسول اللہ میں تلاش کروں گا۔فرمایا اگر سنت رسول میں بھی نہ ملے تو کیا کروگے؟ عرض کی پھر میں اجتہاد کروں گا۔اس پر حضور ﷺ نے فرمایا رسول اللہ کے قاصد نے حق کو پالیا۔(بخاری)

اس سے واضح ہوا اجتہادوقیاس صرف اور صرف انہیں امور میں روا ہے جنکا واضح حکم کتاب وسنت سے نہ ملے۔

آئمہ دین ومجتہدین عظام کا قیاض محض رائے نہ ہوتی تھی بلکہ کتاب وسنت اجماع امت خلفاء راشدین کی ہدایات تعامل صحابہ کومعیار بنا کر کسی مسئلہ کا حکم ظاہر کرنا ہوتا تھا۔اوراس قیاس یارائے کا محمودومطلوب ہوتا، کتاب مجید کی آیات

لیفقھوا فی الدین ۹/۱۲۲ سے ثابت ہے جولوگ آئمہ مجتہدین پر قیاس واجتہاد کی بنا پر طعن کرتے ہیں انہیں بھی اس قیاس محمود سے مفر نہیں ہے۔ غور کیجیے جن مسائل پیش آمدہ کے متعلق قرآن وحدیث اور اجماع امت خاموش ہو ان کا حکم شرعی معلوم کرنے کا طریقہ سوائے اجتہاد وقیاس کے اور کیا ہے؟ اور قیاس واجتہاد کی مخالفت میں جو آیات واقوال پیش کیے جاتے ہیں اور اور خود ہم نے صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی کے جو ارشاد اوپر پیش کیے ہیں دراصل ان میں اس قیاس واجتہاد کی مذمت ہے اور اسے فاسد وباطل قرار دیا گیا ہے جو محض اپنی خواہشات نفسانی کی بنا پر کیا جائے لیکن وہ قیاس واجتہاد جو کتاب وسنت واجماع امت کے معیار پر ہو اور جن کے لیے مرشد مطلق صرف کتاب و سنت ہی کو بنایا جائے وہ تو فقہ اسلام کا ایک اہم ماخذ ہے۔ الغرض آزادانہ رائے کا نام قیاس شرعی نہیں ہے اور کتاب و سنت کے منصوص احکام ومسائل خواہ وہ تعبدی ہوں یا غیر تعبدی، ان میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دینا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

فاحکم بینھم بما انزل اللّٰہ (مائدہ) و انزلنا علیک الذکر للبتین للناس (نحل)

ترجمہ: اے رسول محترم ان کے معاملات کا فیصلہ جو آپ پر کتاب نازل ہوئی ہے اس کے مطابق کیجیے۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت فرمادیں۔ اور اس کے اصولوں کی جزئیات کو متعین فرمادیں معلوم ہوا کہ مفسر حقیقی صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور منشاء خدا کے شارح ہیں آپ جو تشریح وتفسیر فرمادیں گے وہ امت کے لیے قابل اتباع ہوگی۔ آپ کی تشریح وتوضیح کے مقابلہ میں امت کے کسی فرد کی تشریح وتفسیر کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ اسی لیے ہر خاص وعام کو حکم دیا گیا۔

ما اتا کم الرسول فخذوہ و مانھا کم فاینتھواۃ .(حشر)

ترجمہ: رسول کریم تم کو جو حکم دیں ان پر عمل کرو اور جن باتوں سے روک دیں، رک جاؤ۔

حتیٰ کہ قرآن نے یہ اعلان فرمایا کتاب الٰہی کے منشاء سے متعلق حضور ﷺ نے جو قولی یا عملی تفسیر وتوضیح فرمائی ہے اور قرآنی اصولوں کی روشنی میں جو فیصلے فرمائے ہیں اور دین سے متعلق جو احکام ومسائل بیان فرمائے ہیں امت کے لیے اپنے تمام معاملات میں ان کو منبع وماخذ ومرکز ومحور قرار دینا سب فرضوں سے اہم فرض ہے۔ اگر اہل ایمان نے ایسا نہ کیا اور محمد مصطفیٰ علیہ والثنا کی ذات اقدس کو اللہ رب العزت جل مجدہ کا نائب اکبر خلیفہ مطلق، امر ناہی اور حاکم مطلق نہ جانا نہ مانا۔ تو پھر انہیں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

فلاو ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مِمّا قَضَیْتَ الخ (النساء)

تمھارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے معاملات میں آپ کو حکم نہ بنالیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس کے بارے میں اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔

قرآن مجید کے انہیں احکام کی بنا پر امت مسلمہ نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کو دستور اسلامی کا مرکز ومنبع قرار دیا اور مانا ہے۔اس لیے کتاب وسنت کے منصوص احکام خواہ وتعبدی ہوں یا غیر تعبدی، میں آزادانہ رائے کے استعمال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ تعبدی وغیر تعبدی کا فرق دراصل فقہاء اسلام کی اصطلاح ہے اور اس سے فقہاء کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ غیر تعبدی منصوص احکامات شرعیہ میں زمانہ کے تقاضوں کے مطابق آزادانہ رائے کو استعمال کر کے کسی میں تبدیلی پیدا کی جائے۔ایسا خیال کرنا واقع کے بھی خلاف ہے۔فقہاء کرام وضو کو غیر تعبدی کہتے ہیں۔یعنی عبادتیں خود مقصود بالذات ہوتی ہیں۔اس لیے وہ بغیر نیت کے درست نہیں ہوتیں۔مثلاً نماز بذات خود عبادت ہے۔اس لیے اس میں نیت شرط ہے اور بعض عبادتیں عبادت ہونے کے باوجود دوسری عبادت کے لیے ذریعہ ووسیلہ ہوتی ہیں۔جو وسیلہ ہوتی ہیں وہ نیت کے بغیر بھی درست ہو جاتی ہیں۔جیسے وضو عبادت تو ہے مگر دوسری عبادت (نماز) کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔اس لیے اس میں نیت شرط نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اگر اعضاء وضو کسی طرح مکمل دھل جائیں ان پر پانی بہہ جائے وضو درست ہو جائے گا۔گو کہ نیت نہ ہو تو فقہاء کے ہاں یہ اصطلاح عبادات مقصودہ وغیر مقصودہ کے درمیان فرق کرنے اور ان کے نیت اور بغیر نیت کے درست ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہے نہ اس لیے کہ اسلام میں نماز کی اہمیت تو ہے کہ یہ تعبدی ہے اس کا تعلق آخرت سے ہے اور وضو کی نہیں ہے کہ یہ غیر تعبدی ہے اور اگر کوئی بغیر وضو نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔اس اصطلاح کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔پھر وضو میں چار فرض ہیں ہاتھ پاؤں اور منہ کا دھونا اور سر کا مسح کرنا۔فرمایئے اس میں آپ کیا اجتہاد کرنا چاہتے ہیں؟ زیادہ سے آپ یہ کہیں گے کہ سردیوں میں پانچ وقت پاؤں کا دھونا تکلیف دہ ہے تو اس میں بہت ہی آرام وراحت کی صورت چمڑے کے موزوں پر (بجائے پاؤں دھونے کے) (مسح کرنے) کی اجازت پہلے ہی سے موجود ہے۔ہاں اگر شارع علیہ السلام کی جانب سے دی گئی اس رعایت وسہولت سے اگر کوئی کام نہیں لیتا اور سردیوں میں پاؤں دھونے کی تکلیف اٹھاتا ہے تو گلہ شکوہ کس بات کا؟ کہ تکلیف تو خود اس کی اپنی پیدا کردہ ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن سے ذاتی ملکیت کا ثبوت: رہا اسلام میں ذاتی ملکیت کا معاملہ تو اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جارہا ہے اور جب سے سوشلزم کی ہوا چلی ہے یار لوگ کتاب وسنت ہی کے حوالوں سے مغالطہ دیتے ہیں۔ لیکن جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے اور میں نے اس مسئلہ کے منفی پہلو پر متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ مگر مجھے ذاتی ملکیت یا زمین کی ملکیت کی نفی میں کوئی دلیل شرعی نہیں ملی۔ بلکہ جس قدر اس موضوع پر پڑھا اور دیکھا ہے اس میں تو ذاتی ملکیت کے جواز ہی پر دلائل قاھرہ ملے ہیں۔ تفصیل کے لیے تو دفتر درکار ہے، مختصراً عرض ہے کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت کے تصور کی کوئی بنیادی حیثیت نہیں ہے تو پھر قرآن نے جو یہ حکم دیا ہے کہ زمین کی پیداوار سے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اس کا حق دے دو۔ اس کے کیا معنی ہوں گے؟ جب ملکیت ہی نہ ہوگی تو اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں گے؟ اور کونسا حق دیں گے۔ قرآن مجید میں حکم ہے۔

۱. وَانفقوا من طیبات ماسَبْتم و مِما اخرجنا لکم من الارض (آل عمران)

ترجمہ: اور خرچ کرو اپنی اچھی کمائی سے اور جو ہم نے تم کو زمین سے عطا کیا، زمین کی پیداوار

۲. کُلُوا مِنْ ثَمرہٖ اِذَا ثمرَوا تواحقہ یومَ حِسَادِہٖ۔ (انعام)

ترجمہ: کھاؤ اور اس کا حق کٹنے سے پہلے دے دو۔

اسی طرح کتاب وسنت میں وراثت کے مسائل بیان ہوئے اور کوئی ایسا شخص جو کسی مسئلہ پر ایمان و دیانت سے غور کرنا چاہتا ہے وہ اتنی بات تو بہر حال تسلیم کرے گا کہ قرآن میں وراثت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ تو اب آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ وراثت کی تقسیم بغیر ذاتی ملکیت کے کیسے ممکن ہوگی؟ جب نقد وجنس، روپیہ پیسہ، مکان، جائیداد، زمین، کارخانے وغیرہم کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوں گے تو مرنے کے بعد تقسیم کیا ہوگا۔ دیکھئے ہوا، چاند، سورج یہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں۔ ہر شخص اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہوا، چاند اور سورج سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص وفات پاتا ہے تو کیا ہوا، چاند و سورج کی روشنی اس کے ورثہ میں تقسیم ہوسکتی ہے؟ ایک شخص کرایہ کے مکان میں رہتا ہے یہ مکان اس کی ذاتی ملکیت نہیں ہے تو کیا مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں یہ مکان تقسیم ہوسکتا ہے؟

عموم بلوی اور نص قطعی: (۱) آپ نے مذاکرہ علمی حصہ اول میں نص قطعی میں عموم بلوی کا تاثر دیا ہے؟ نیز ہم نے عموم بلوی کے ماتحت تخفیف کا حکم دیا جانا کس کتاب میں لکھا ہے۔

الجواب: اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز (فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۴۵، ۵۰) پر لکھتے ہیں اور عموم بلویٰ نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف ہے۔ حتیٰ فی موضع النص القطعی ۔ دیکھئے نص قطعی کا لفظ تحریر اعلیٰحضرت میں موجود ہے۔ رہی یہ بات (حلت وحرمۃ) میں عموم بلویٰ کا باعث تخفیف ہونا تو اس کے متعلق بھی اعلیٰحضرت فرماتے ہیں:۔

ولا یخفیٰ علیٰ خادم الفقه ان هذا کما هو جار فی باب الطهارة والنجاسة کذالک فی باب الحرمة والاباحة. احکام شریعت

ترجمہ: خادم فقہ حنفی پر یہ بات مخفی نہیں کہ عموم بلویٰ جیسے باب طہارت ونجاست میں جاری ہوتا ہے ایسے ہی حرمت واباحت میں بھی جاری ہوتا ہے۔

نیز خیال رہے کہ نص قطعی میں عموم بلویٰ کا تاثر رضوی نے نہیں دیا بلکہ محقق علی الاطلاق صاحب فتح القدیر نے دیا ہے۔ (فافہم)

علت کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے: آپ نے مذاکرہ علمی میں لکھا ہے کہ بعض احکام مبنی بر علت ہوتے ہیں۔ علت کے بدل جانے سے حکم میں تبدیلی آجاتی ہے تو ہمارے اکابر علماء میں سے بھی کسی نے ایسا لکھا ہے؟ ہم نے تو یہ بات صرف آپ کے مذاکرہ ہی میں پڑھی ہے۔

الجواب: اس سلسلہ میں میں نے جو کچھ لکھا ہے چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ روشن ومنور وحق وثابت ہے۔ البتہ جہالت اور حسد مرض لا علاج ہے۔ حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی تو آپ حضرات کے اکابر علماءؒ اہل سنت ہی سے ہیں۔ وہ اپنی مشہور تالیف جاء الحق میں تحریر فرماتے ہیں۔

۱۔ یہ احکام کیوں بدلے اس لیے کہ ان کی علتیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب وزینت کے مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور مقابر کی عزت وحرمت تھی۔ لہذا زندگی وموت ہر کام میں سادگی تھی۔ اب دنیا کی آنکھیں ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھتی ہیں۔ لہذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ لہذا پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو۔ اب جائز قرار پایا۔ (جاء الحق صفحہ ۲۶۸)

۲۔ اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی

ہیں۔(جاءالحق صفحہ ۳۶۶)

(۳)اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے۔آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔(جاءالحق)

(۴)جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر الٰہی کرنے کہ فقہاء احناف نے شامی، عالمگیری فتاوٰی سراجیہ میں مکروہ تحریر و بدعت لکھا ہے اور اس کا جواب یہ ہے اول تو یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے۔دوم یہ کہ یہ پہلے زمانہ کے لیے تھی۔اب حکم بدل گیا۔کیونکہ علت حکم بدل گئی۔چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لیے ہے۔عامۃ المسلمین اگر ذکر الٰہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جائے۔(جاءالحق صفحہ ۳۶۷)

۵۔جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی کو جن فقہاء نے مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے۔دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اس زمانہ کے لیے تھی۔اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے، یہ حکم کراہت بھی بدل گیا۔(جاءالحق صفحہ ۳۶۳)لہذا اب یہ یہ مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جائیں۔حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے زمانہ کی حالت سے بے خبر رہے وہ جاہل ہے۔(جاءالحق صفحہ ۳۶۴)اس کے بعد مفتی صاحب مرحوم مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۶۔**شاید کوئی کہے کہ اسلامی احکام تو کبھی بدلتے نہیں:** تو پھر یہ تبدیلی کیسی؟اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی علت کی بنا پر ہوں وہ علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔جیسے اول زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی اب جائز ہے۔اسی طرح مقابر اولیاء اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرورت زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پر دعائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔قرآن پاک میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا۔لیکن اب عوام کے فائدے کا لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔(جاءالحق صفحہ ۳۶۵)

(۷)مفتی صاحب مرحوم نے ایک بہت ہی عام فہم مثال یہ دی ہے کہ لکھنو میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں اور فارسی زبان میں بعض جگہ اردو میں مہتر کے معنی سردار کے ہیں۔جیسے مہتر چترال بولتے ہیں تو جو شخص لکھنو میں مہتر کو لفظ نبی کے لیے استعمال کرے کافر ہے اور فارسی میں اس لفظ کو نبی کے لیے استعمال کیا جائے تو کفر نہیں جائز ہے۔(خلاصہ جاءالحق)

۸۔ یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے: خواہ یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا وردو خوانی سے، یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے تھا جو کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں کی تھی اور نہ اس زمانہ میں......اب اس میں کوئی حرج نہیں (جاء الحق صفحہ ۳۶۶)

۹۔ دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اس زمانہ میں تھی: اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا (جاء الحق صفحہ ۳۶۳)

لہذا اب یہ ہی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جائیں۔

۱۰۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں: اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر رہے وہ جاہل ہے۔ جاء الحق صفحہ ۳۶۴۔ اول زمانہ میں تعلیم قرآن واذان وامامت پر اجرت لینا حرام تھا۔ حدیث وفقہ میں موجود ہے۔ مگر بعد میں ضرورۃً جائز کیا گیا۔

۱۱۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی: ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ جب اس کو گرا دیا تب جواب سلام دیا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی) اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اذالم یبارک للعبد فی ماله جعله فی الماء والطین جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں۔ (جاء الحق صفحہ ۲۵۴)

۱۲۔ اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی عرفان شریعت میں: لکھتے ہیں۔ مسجد میں مٹی کا تیل جلانا بو کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر ایسی ترکیب کریں کہ اس میں بو اصلاً (بالکل) نہ رہے تو جائز ہے۔ (عرفان شریعت)

۱۳۔ وتر کے بعد سجدہ میں سر رکھ کر تسبیح پڑھنا: فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ اقول تحقیق یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک یہ سجدہ خود مکروہ نہیں بلکہ مباح ہے۔ مگر ایک خارجی اندیشہ کے سبب کہ جاہل اسے سنت یا واجب نہ سمجھنے

لگیں۔فقہاء مکروہ کہتے ہیں تو جب تنہائی میں ہو وجہ کراہت نہیں (فتاوی افریقہ، خلاصہ)

۱۴۔کتب فقہ میں جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر : کو مکروہ کتب فقہ میں جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کو ہے۔جس طرح خود نفس ذکر جہر کو بکثرت کتب حنفیہ میں مکروہ بتایا (فتاوی رضویہ ج۴ صفحہ ۵)

انصاف کیجیے تو یہ حکم (یعنی فقہاء احناف کا ذکر جہر کو مکروہ تحریمہ قرار دینا) اس زبان خیر کے لیے تھا جبکہ ہمراہیان جنازہ تصور موت میں ایسے غرق ہوتے تھے کہ گویا میت میں ہر ایک کا خاص اپنا کوئی جگر پارہ ہے۔بلکہ گویا خود ہی میت ہیں۔ہمیں کو جنازہ پر لیے جاتے ہیں۔کہ اب قبر میں رکھیں گے۔لہذا علماء نے سکوت محض کو کلام اگرچہ ذکر ہی ہو۔ اگرچہ آہستہ ہو اس تصور سے (کہ بغایت نافع اور سفید اور برسوں کے زنگ دل سے دھودینے والا) روکے گا۔یا کم از کم دل توبٹ جائے گا تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تر ہے۔ورنہ حاشاللہ کہ ذکر خدا اور سول نہ کسی وقت منع ہے...... اب کہ زمانہ منقلب ہوا لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت تو قبروں پر بیٹھ کر لغویات وفضولیات اور دینوی تذکروں بکہ خندہ ولہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انہیں ذکر خدا اور سول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مشغول کرنا عین ثواب و کار ثواب (فتاوی رضویہ جلد صفحہ ۵)

۱۵۔اسی طرح کتب فقہ حنفی میں اس سلسلہ کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔وجیز وعالمگیری سے صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

وقال الفقیہ کنت افتی انه لا یحل اخذ اجرة علی تعلیم القرآن و علی ان الدخول علی السلطان حرام و انه لاینبغی للعالم ان یخرج الی الرستاق فرجعت عن الکل لضیاع القرآن و لحاجة الخلق و لجهل اهل الرستاق (بزازیہ ج صفحہ ۳۴۷)

ترجمہ:فقیہ نے فرمایا میں پہلے یہ فتوئی دیا کرتا تھا کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا اور علماء کو بادشاہ کے دربار میں جانا حرام ہے اور یہ کہ بازار میں علماء کو نہ جانا چاہیے لیکن میں نے اس بنا پر کہ اس میں قرآن کا نقصان ہے۔لوگوں کو حاجت وضرورت ہے اور بازار والے عموماً دینی مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں۔اپنے سابقہ فتوے سے رجوع کرلیا۔

فرمایئے! مسئلہ رٹے چڑھایا نہیں۔

بہت احکام زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل گئے۔اعلیحضرت کا فیصلہ! اب آخر میں اس

موضوع پر اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کی تحریر سے حجت پوری کرتا ہوں۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں زمان ومکان کی تبدیلی سے حکم بدل جاتا ہے اور بہت احکام زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل جاتا ہے اور بہت احکام زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل گئے۔ حتیٰ کہ خاص وہ فعل جس کو نبی علیہ السلام نے صاف صریح طور پر منع فرمایا زمانہ ومکان کی تبدیلی کی وجہ سے ممانعت رسول اجازت میں تبدیل ہوگئی۔ یقین نہ آئے تو سنیے انصاف کیجیے کہ جو کچھ اکابر علماء اہل سنت نے فرمایا رضوی نے بھی وہی کہا اور لکھا ہے اور بغض وعناد مرض لاعلاج ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مرض ذلیل سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ اعلیٰحضرت اپنی تالیف بریق المنار میں لکھتے ہیں:۔

یوں ہی مساجد کی آرائشیں ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش ونگار کہ صدر اول میں نہ تھے، بلکہ حدیث میں تھا لتز خرفنها كماز خرفت اليهود و النصارى (ابوداؤد عن ابن عباس) البتہ تم ان کو آراستہ کرو گے جیسا کہ آراستہ کیا یہود ونصاریٰ نے، مگر اب ظاہری تزک واحتشام ہی قلوب عامہ پر اثر تعظیم پیدا کرتا ہے۔ لہذا آئمہ دین نے جواز کا حکم دیا۔ بلکہ حدیث میں ارشاد ہوا ابنوا المساجد و اتخذ و ها جمار (بیہقی) یعنی مسجدیں منڈی بناؤ، ان میں کنگرے نہ رکھو بلک اب بلانکیر مسلمانوں میں رائج۔ مزارات اولیاء کرام وعلماء قدست اسرارھم پر عمارات کی بنا کہ باوصف حدیث مسلم وابوداؤد، ونسائی ومسند احمد عن جابر نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لیقعد علیٰ القبر و ان یقصص و ان یبنی علیہ جس میں صراحتاً اس کی ممانعت ارشاد ہوئی۔ سلفاً خلفاء آئمہ کرام وعلماء اعلام نے جائز رکھی۔ اور بہت احکام ہیں کہ زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں۔ یعنی ایسی جگہ احکام سابقہ سے سند لانا حماقت ہے جو حاجت اب واقع ہوئی اگر زمانہ سلف میں واقع ہوئی تو وہ بھی یہ ہی حکم کرتے جو اس وقت ہم کرتے ہیں (بریق المنار) صفحہ ۸ تا ۱۰۔ سلف صالح کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو تھے ظاہری تزک شان کے محتاج نہ تھے تو ان کے وقت میں یہ باتیں عبث و بے فائدہ تھیں اور ہر عبث مکروہ اور اس میں مال صرف کرنا ممنوع۔ اب کہ بے تزک و احتشام ظاہری قلوب عوام میں وقعت نہیں آتی۔ ان باتوں کی حاجت ہوئی مصحف پر سونا چڑھانے کی۔ مسجدوں میں سونے کے کلس، سونے چاندی کے نقش ونگار اور مزارات اولیاء پر قبہ بنانے، چادر ڈالنے، روشنی کرنے کی اجازت ہوئی۔ ان تمام افعال پر بھی احادیث واحکام سابقہ نہ پیش کرے گا۔ مگر سفیہ نافہم (بریق المنار)

پیتل تانبے کے برتن میں کھانا کھانا: پیتل تانبے کے برتنوں میں کھانا کھانے کو درمختار میں مکروہ لکھا

ہے۔سونے چاندی کے بٹن کا استعمال اور سرخ رنگ کے کپڑوں کا استعمال مرد کو جائز ہے۔ جواب باحوالہ کتاب دیا جائے۔

الجواب: پیتل تانبے لوہے کانسی سٹیل اس قسم کی دھاتوں سے بنے ہوئے برتنوں میں کھانا پکانا اور کھانا جائز و مباح ہے۔ ہاں! مٹی کے برتن میں کھانا افضل ہے۔ درمختار میں بے شک یہ لکھا ہے یکرہ الاکل فی نحاس اوصفو۔لیکن علامہ شامی نے وضاحت فرمائی ہے یہ کراہت کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ یہ برتن بلا قلعی ہو کیونکہ بال قلعی برتن میں کھانا خراب ہوجاتا ہے اور نقصان دیتا ہے۔ ثم قید النحاس بالغیر المطلیٰ بالرصاص (ردالمختار)

سونے چاندی اور ریشم کے بٹن: گھنڈی، اشٹیڈ وغیرہ مرد وعورت کو قمیض کرتے، کوٹ، شیروانی میں لگانا جائز ہیں۔ اسی طرح سرد کو ریشم کے بچھونے پر بیٹھنا، لیٹنا، سونا، تکیہ لگانا بھی جائز ہے کہ پہننا ریشم یا چاندی یا سونے کا مرد کو منع ہے اور بٹن اشٹڈ وغیرہ پہننا نہیں بلکہ کپڑے کے تابع ہیں۔ اس لیے ریشم کے بچھونے پر سونا بیٹھنا بھی (لبس) پہننا نہیں ہے۔ علامہ حصکفی قدس سرہ العزیز جو فقہ حنفی کے امام ہیں درمختار میں ان تمام امور کے جائز و مباح ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ لا باس بعروۃ القمیص وزرہ من الحریر لانہ تبع و فی التتا الخانیہ عن السیر الکبیر لا باس باز راد الدیبا ج و الذھب (درمختار)۔ اسی طرح ریشم کے مصلی پر مرد کو نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے اور ریشم کی ڈوری سے گھڑی کو کوٹ صدری کرتے وغیرہ کے کاج میں اٹکانا بھی جائز ہے۔ بلکہ تمام وہ صورتیں جائز ہیں جو لبس نہ ہو۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ و فی الدر المنتقیٰ ولا تکرہ الصوٰۃ علی سجادۃ من الابریسم لان الحرام ھو اللیس اما الانتفاع لسائر الوجوہ فلیس لحرام کما فی صلاۃ الجواھر و اقرہ المھستانی وغیرہ، وعنہ یعلم حکم السبحۃ فی بند الساعۃ الذی تربط بہ و یلعلقہ الرجل بزر ثوبہ و الظاھر انہ کنبد السبحۃ الذی تربطریۃ تامل ۔اس صورت کے متعلق فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے الطیب الوجیز میں فرمایا ہے۔ تو بہتر اس سے احتراز ہی ہے۔ معاندین غور کریں کیا اس موقع پر (بہتر) کو (واجب) کا لباس پہنانا درست ہے؟

سُرخ رنگ کا لباس اور لباس فاخرہ پہننا: عمدہ قیمتی لباس اور سرخ رنگ کا لباس پہننا جائز ہے۔ دراصل

لباس کے معاملہ میں نیت وقصد کے شریعت نے بہت لحاظ کیا ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے۔

تکبر یا زنانہ پن کا سنگار یا کوئی اور غرض مذموم نیت ہو تو ایک چاندی کی انگوٹھی کیا اس نیت سے اچھے کپڑے پہننا بھی جائز نہیں اس کی بات جدا ہے یہ قید ہر جگہ ملحوظ رہنی چاہیے کہ سارا دارومدار نیت پر ہے...... علامہ شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ **لبس الثیاب الجمیلة مباح الذالم یتکبر** عمدہ اچھے کپڑے پہنا مباح ہیں۔ جبکہ تکبر کی نیت نہ ہو۔ اسی طرح زیب وزینت کے لیے عمدہ کپڑے پہننا بھی جائز ہے کہ زینت مطلقاً ممنوع نہیں ہے **و مباح و ھو الشواب الجمیل للتزین**۔ سفید رنگ کے کپڑے پہننا مستحب ہے اور سبز رنگ (۱) کے سنت ہے۔ اسی طرح کالے رنگ کے کپڑے بنی عباس کا شعار بھی ہے۔ حضور جب مکہ میں جلوہ فرما ہوئے تو عمامہ اقدس آپ کا کالے رنگ کا تھا۔ اور مرد وعورت (۲) دونوں کو سرخ رنگ کا لباس پہننا جائز ہے۔ کیونکہ علامہ شامی روالمختار میں تحریر فرمایا ہے اور انھوں نے یہ تصریح بھی کی ہے بعض فقہا نے سرخ رنگ کے لباس کو مکروہ قرار دیا ہے مگر کراہت کی وجہ رنگ کا ناپاک ہونا ہے۔ بعض رنگ ناپاک چیز سے بنائے جاتے ہیں تو کراہت کی وجہ سرخ رنگ نہیں، بلکہ اس رنگ کا ناپاک (۳) ہونا ہے تو اگر ایسی چیز سے رنگا جائے جو پاک ہو اور وہ سرخ رنگ دے تو ایسا سرخ رنگ کا کپڑا استعمال کرنا مباح وجائز ہے۔

عمدہ قیمتی کپڑے پہننا: لباس فاخرہ کے متعلق اسلام کی ہدایت صرف یہ ہے قیمتی سے قیمتی کپڑے استعمال کیجیے۔ مگر تکبر وغرور نہ آنے دیجیے۔ بنیت حسن وتجمل اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کے لیے عمدہ قیمتی کپڑے پہننا جائز و مباح ہے۔ بعض کثیف طبیعت یہ چاہتے ہیں کہ جیسے وہ میلے بے ترتیب بدوضع کپڑے پہنتے ہیں دوسرے بھی ایسے ہی کپڑے پہنیں اور اسے وہ ورع وتقوی کا نام دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تقویٰ کی تو ہوا بھی نہیں لگتی۔ ہاں جہالت وحماقت کے سمندر میں ضرور غرق ہوتے ہیں۔ بہر حال اس مسئلہ سے متعلق چند فقہی جزیات یہ ہیں۔

۱. و محمد رحمه الله تعالیٰ. لم یر باسا بالباس المرتضع جدا قال علیه السلام تزین

---

(۱) ویستحب الابیض و کذا الاسود لانه شعار بنی العباس و دل علیه الصلاة والسلام مکة وعلیٰ راسه عمامة سوداء ولبس الاخضر سنة کما فی الشرعة. (۲) ویجوز للرجال و النساء لبس ثوب الاحمر (روالمختار) (۳) اذا کان فی صبغه دم والافلا و قیل یکسره اذا صنع بالاحمر القانی لانه خلط لانجس، دعن ابی حنیفه رحمه الله تعالیٰ، لاباس باصبغ الاحمر والاسود کذا فی المحیط (عالمگیری صفحه ۳۳۲ ج۵)

لعبادة ربک وقال علیه السلام ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال.

ترجمہ: امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک لباس فاخرہ (قیمتی کپڑے) پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے زینت کو اپنے رب کی عبادت کے لیے اختیار کرو۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔

۲. و کذا الایری باللبد الاحمر علی السراج باسا. (و جیز ج۵ صفحہ ۳۸۳)

ترجمہ: اسی طرح امام محمد علیہ الرحمہ لیمپ وغیرہ پر سرخ رنگ کے کپڑے کی چمنی کو کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔

۳. و کان ابو حنیفہ رحمہ اللّٰہ یقول لتلا مذتہ اذارجعتم الیٰ بلاد کم فعلیکم بالثیاب النفسیة جیز کردی (ج۷ صفحہ ۳۶۳ علی ھا مش عالمگیری.)

ترجمہ: امام اعظم علیہ الرحمہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جب تم دین کی تعلیم حاصل کر کے اپنے شہروں میں جاؤ تو نفیس اور عمدہ کپڑے پہن کر جاؤ۔

۴. و ابو حنیفہ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ کان یوتدی برواء قیمتہ اربعماتہ دینار کذا فی الذخیرہ.

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہ علیہا لرحمہ چار سو دینا کی چادر پہنا کرتے تھے۔

۵. ولیس الثیاب الجمیلة مباح اذالم یتکبر و تفسیرہ ان یکون معھا کما کان قبلھا. کذا فی السراجیہ (عالمگیری ج۵ صفحہ ۳۳ و جیز کردری)

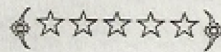
ترجمہ: اور عمدہ نفیس کپڑے پہننا مباح ہے۔ جبکہ تکبر وغرور نہ ہو۔ کتبر کی پہچان یہ ہے جو حالت ان کپڑوں کے پہننے سے پہلے تھی وہی لباس فاخرہ کے بعد رہے۔

۶. وفی مجموع النوازل. سئل عن الزینة والتجمل فی الدنیا. قال خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذات یوم وعلیہ رداء" قیمتة الف ووھم و ربما قام الی لصلوٰة وعلیہ رواء قیمتہ اربعة الاف ودھم عالمگیری ج۵ صفحہ ۳۳۲

ترجمہ: مجموعہ النوازل میں ہے کہ دنیا میں زینت اور تجمل کے اختیار کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ حضور علیہ السلام ایک دن باہر تشریف لائے اور آپ کے جسم مبارک پر ایک ہزار درہم کی چادر تھی۔ کبھی حضور نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے جسم مبارک پر ہزار درہم کی چادر ہوتی۔

۷. و دخل بوحل من اصحابه يوماو عليه دواء خز فقال عليه السلام ان اللّٰه تعالىٰ اذا انعم على عبد نعمة احب ان يرى اثر نعمته عليه (عالمگیری ج۵ صفحہ ۳۳۳)

ترجمہ: اور ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کے گھر داخل ہوئے۔ وہ خز کی چادر میں ملبوس تھے۔ (۱) انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نعمت سے نوازے تو اللہ تعالیٰ یہ بھی محبوب رکھتا ہے کہ بندے پر اس کی نعمت کا اثر دکھائی دے۔



(۱) خز کے ملبوسات۔ ایک جماعت صحابہ نے پہنے ہیں۔ منہم ابوبکر صدیق وابن عباس والتابعین منہم ابن ابی لیلیٰ وغیرہ جن میں سیدنا صدیق اکبر وابن عباس اور تابعین میں ابن ابی لیلیٰ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ واضح رہے خز سے یہاں ریشم مراد نہیں ہے۔ (بخاری ج ۲ صفحہ ۸۶۳) وعینی۔

تمدنی امور سے متعلق چند اہم حقائق

کیا کھڑے ہو کر کھانا پینا یا چھری چاقو سے گوشت وڈبل روٹی کاٹ کر کھانا جائز ہے: مولانا صاحب! از روئے شرح محمدی یہ بتائیے کہ کھڑے ہو کر کھانا پینا یا چھری چاقو سے گوشت ڈبل روٹی وغیرہ کاٹ کر کھانا جائز ہے یا نہیں۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں یہ عجمیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے اس لیے ناجائز و حرام ہے۔ (اللہ دتہ قادری گوجرانوالہ)

الجواب: سب سے پہلے یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے تاکہ اس نوع کے جوابات سے نہ آپ خود کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور نہ کوئی اور کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، افعال جمیلہ واعمال طیبہ اور کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے کے متعلق حضور علیہ السلام نے جو طریقہ اپنایا اور جس کی تعلیم دی، اسی کو اختیار کرنا بہتر و افضل سنت و مستحب ہے اور ہر مسلمان کو یہ ہی کوشش کرنی چاہیے کہ تمام معاملات، تمدن و تہذیب، اخلاق و عبادت اور طرز زندگی میں حضور سرور کائنات علیہ السلام کے طریق کار اور اسوہ حسنہ کو اپنائے۔ مثلاً بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا، سیدھے ہاتھ سے کھانا، اکروں یا دوزانو بیٹھ کر کھانا، نمکین چیز سے کھانا پھونک کر ٹھنڈا نہ کرنا، ایک طرف سے اور اپنے آگے سے کھانا، اکیلے نہ کھانا، اپنے اہل و عیال کے ساتھ مل کر کھانا، غیر مسلم کے ساتھ نہ کھانا، جوتا اتار کر کھانا، زمین پر بیٹھ کر کھانا، موٹی روٹی کھانا، گوشت و روٹی کو چھری سے کاٹ کر نہ کھانا، کھانے کو عیب نہ لگانا، سیدھے ہاتھ سے کھانا، لیٹ کر کھڑے ہو کر، تکیہ لگا کر نہ کھانا، بعد از طعام ہاتھ دھونا، یہ اور اسی قسم کی اور ہدایات کھانے پینے کے آداب و سنن و مستحبات ہیں۔ اور علماء بھی اپنی تقاریر و وعظ میں ان آداب و سنت کی تلقین فرماتے ہیں۔ بہر حال ان آداب کو اپنانا بہتر و افضل ہے۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھیے کہ حضور علیہ السلام کی کسی سنت خواہ اس کا درجہ مستحب ہی کا ہو، کا مذاق اڑانا توہین کرنا، حقیر سمجھنا، یا حضور کی کسی سنت پر عمل کرنے والے کو ذلیل و حقیر سمجھنا برا جاننا گناہ عظیم ہے بلکہ کفر تک پہنچا دینے والا ہے۔ حضور کی ہر ادا محبوب و مطلوب ہے اور حضور کا ہر فعل حسین و جمیل ہے۔ رد المختار میں ہے۔ لو لم یرَ السنة حقا کفر لانه استخفاف، لیکن بایں ہمہ حضور کی سنتوں کے درجے دو مرتبے ہیں۔ اور جس درجہ اور مرتبہ کی سنت ہے

اسے سای درجہ و مرتبہ میں رکھنا اور اس کی اسی حیثیت و کیفیت کے ساتھ جو کہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے بیان کرنا ضروری ولازمی ہے۔ چنانچہ سنت رسول کے متعلق تمام کتب اصول میں یہ بات خوب اچھی طرح واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ حضور کی سنت دو قسم پر ہے۔ سنت الھدیٰ جس پر حضور نے مواظیت فرمائی اور اسے علی وجہ التعبد کیا ہو ایک دو بار بار۔

حضور کی سنت دو قسم پر ہے: بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو یا بالکل نہ چھوڑا ہو لیکن تارک پر انکار نہ فرمایا۔ سنت ھدیٰ کا ترک اساءۃ ہے۔ وقت حساب اس سے کہا جائے گا تو نے یہ سنت کیوں نہیں ادا کی، دوسری قسم سنت الزوائد جیسے لباس، اٹھنے بیٹھنے کھانے پہننے میں حضور کی عادت کریمہ، کہ یہ چیزیں حضور سے علی وجہ العبادۃ وقصد قربت کے طور پر صادر نہیں ہوئیں۔ بلکہ عادت کے طور پر حضور سے صادر ہوئی ہیں۔ جیسے حضور کا سرخ، سبز، سفید جبہ زیب تن فرمانا، کبھی سیاہ یا سر عمامہ سات ہاتھ یا بارہ ہاتھ یا اس سے کم وبیش کا استعمال فرمانا، تو ایسی تمام سنتیں سنت زوائد ہیں۔ سنت زوائد کا حکم یہ ہے۔ یثاب المرء علی فعلها و لا یعاقب علی ترکها و هو فی صعنی المستحب (نور الانوار معه حاشیه قمر الاقمار) یعنی ان سنتوں پر عمل کرنے والا ثواب پاتا ہے اور جو عمل نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور یہ سنتیں مستحب کے حکم میں ہیں۔

حضور کی سنن زوائد کا ترک مکروہ تنزیہہ بھی نہیں: اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے (فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۲۵۲) پر معتبر کتب فقہ کے حوالوں سے اس امر کی نشاندہی فرمائی ہے کہ حضور کی سنن زوائد، فرض، واجب اور سنت موکدہ کے مرتبہ میں نہیں ہیں۔ بلکہ مستحب کے درجہ میں ہیں کہ ان سنتوں پر عمل کرو تو ثواب نہ کرو تو کچھ گناہ نہیں، بلکہ سنن زوائد کا ترک مکروہ تنزیہہ بھی نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔ (۱) لان التعمم من سنن الزوائد و الزوائد حکمها حکم المستحب (۲) ترکه لا یرجب اساءۃ و لا عتا باکترک سنة الزوائد لکن فعله افضل در مختار (۳) و سنة الزوائد و ترکها لا یوجب ذالک کسیر النبی صلی اللہ علیه وسلم فی لباسه (۴) بخلاف سنة الهدیٰ و هی السنن المو کده القریب من الواجب الذی یضلل تار کها. (فتاوی رضویہ صفحہ ۲۵۲) اور یہ بھی یاد رکھیے کہ ترک مستحب گناہ تو درکنار موجب کراہت تنزیہی بھی نہیں ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے معتبر کتب فقہ کے حوالوں سے یہ تصریح فرمائی

ہے۔(۵) مستحب ومباح کے ترک میں کچھ گناہ نہیں نہ ان کے تارک کی امامت میں کچھ نقص (فتاوی رضویہ ج ۳ صفحہ ۲۷۹) (۶) اور ترک مستحب مستلزم کراہت تنزیہہ بھی نہیں۔ کراتہ تحریم تو بڑی چیز ہے۔ بحر الرائق باب العیدین میں ہے۔ لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراهة (رضویہ ج ۲ صفحہ ۱۶۱) (۷) کراہت تنزیہی کا حاصل صرف ترک اولی ہے نہ کرنا بہتر اور کرنا گناہ نہیں۔ یعنی مکروہ تنزیہہ فعل ناجائز نہیں (۸) اعلیٰحضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔ کراہت تنزیہہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولی ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو، علماء تصریح فرماتے ہیں یہ کراہت مجامع جواز واباحت ہے۔ جانب ترک میں اس کا وہ مرتبہ ہے جو جہت فعل میں مستحب کا کہ مستحب بات کیجئے تو بہتر، نہ کیجئے تو گناہ نہیں۔ مکروہ تنزیہی نہ کیجئے۔ بہتر کیجئے تو گناہ نہیں (احکام شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۷۵)

اس ساری بحث سے واضح ہو گیا کہ حضور علیہ السلام کی سنن زوائد مستحب کے درجہ میں ہیں۔ کرو تو ثواب نہ کرو تو کچھ گناہ نہیں اور یہ کہ مستحب وافضل کام کے نہ کرنے والے پر لعن طعن کرنا، یا کسی کو مستحب کام کرنے پر باصرار مجبور کرنا شرعاً غلط ونادرست ہے۔ اب میں مستحب کام کی جو حضور کی سنت ہے ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے مسئلہ کی حیثیت وکیفیت کے سمجھنے میں آپ کو مزید آسانی ہوگی دیکھئے عمامہ باندھنا سنت رسول اور مستحبات نماز سے ہے اور چونکہ عمامہ کو ذات پاک محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے نسبت ہے۔

حضور کی سنت زائدہ کی عظمت مرتبہ ومقام: اس بنا پر باوجود مستحب فعل ہونے کے اس کی عظمت اور ثواب کا یہ عالم ہے کہ متعدد احادیث سے یہ امور ثابت ہیں۔

۱۔ عمامہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متواترہ ہے جس کا تواتر یقیناً سرحد ضروریات دین تک پہنچتا ہے۔ (۲) تو عمامہ سنت دائمہ لازمہ ہے (۳) ان احادیث سے عمامہ کی فضیلت مطلقاً ثابت ہوئی (۴) عمامہ سنت قطعیہ متواترہ ہے (۵) عمامہ کی فضیلت میں کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ (۲۰) حدیثیں اعلیٰحضرت نے فتاوی رضویہ میں درج کی ہیں۔ بعض کا مضمون یہ ہے۔ ہم میں اور مشرکوں میں فرق ٹوپیوں پر عمامے میں ہے۔ بے شک عمامہ کفر اور ایمان میں فارق ہے۔ عمامہ اسلام کی نشانی ہے اور وہ مسلمانوں مشرکوں میں فارق ہے۔ میری امت ہمیشہ دین حق پر رہے گی جب تک وہ ٹوپیوں پر عمامہ باندھیں۔ یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرو کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے۔ عمامہ کے ساتھ نماز دس ہزار کے نیکی کے برابر ہے۔ عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بے عمامہ کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں (فتاوی رضویہ،

خلاصہ)

غور فرمایا آپ نے عمامہ کے فضائل و مناقب یہ عظمت کیوں ہے۔ محض اس لیے کہ عمامہ کو وجود نبوی سے نسبت ہے...... اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب و مطلوب سے نسبت۔ اقبال کہتے ہیں:۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر

ما سراپا انتظار او منتظر

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے

رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

بہر حال یہ تصویر کا ایک رخ ہے، اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ کیجئے:

سنت زائدہ کا دوسرا رخ: جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت رسول کی عظمت اور عمامہ کے فضائل کی احادیث کے آگے سر تسلیم خم کے باوجود عمامہ سنت ھدی سے نہیں ہے۔ سنن زوائد سے ہے یہ درست ہے نماز عمامہ کے ساتھ بے عمامہ سے افضل ہے مگر یہ اسباب تجمل سے ہے۔ فرض واجب سنت موکدہ نہیں ہے۔ عمامہ سنت متواترہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے عمامہ کو حضور ﷺ کا استعمال فرمانا تواتر سے ثابت ہے نہ یہ کہ عمامہ سنن ھدی سے ہے۔ بلا عمامہ نماز لا کراہت جائز ہے۔ بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہہ بھی نہیں ہے۔ عمامہ حضور کی سنت عادیہ ہے اور حضور ﷺ کی ہر سنت عادیہ پر عمل باعث ثواب ہے لیکن اس کا ترک نہ مکروہ تحریمہ ہے نہ تنزیہہ ایسے لوگوں پر جو حضور کی سنت عادیہ پر عمل پیرا نہ ہوں لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے۔ عمامہ مستحبات نماز سے ہے اور ترک مستحبات نماز سے ہے اور ترک مستحب سے خلل تو درکنار کراہت بھی نہیں آتی۔ تصویر کا یہ دوسرا رخ میری ذاتی رائے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ایک ایک لفظ فقہاء اسلام کا ارشاد فرمودہ ہے۔ یقین نہ آئے تو ملاحظہ فرمایئے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں:۔

سوال: امام کے سر پر امامہ نہ ہو وہ ٹوپی پہنے ہوئے ہو اور مقتدی کے سر پر عمامہ ہو تو کسی کی نماز میں کچھ خلل آتا ہے یا نہیں۔ اعلیٰحضرت نے دو جگہ اس سوال کا جواب دیا ہے اور عمامہ کو سنن زوائد سے شمار کیا ہے۔ (۱) کسی کی نماز میں کچھ خلل نہیں، عمامہ مستحبات نماز سے ہے اور ترک مستحب سے خلل تو درکنار کراہت بھی نہیں آتی۔ وذالک لان التعم من سنن الزوائد و سنن الزوائد حکمھا حکم المستحب۔ درمختار میں ہے لھا اداب ترکہ لا

یرجب اساءۃ ولاعتا باکترک سنۃ الزوائد لکن فعلہ افضل (فتاویٰ رضویہ)

(۲) اس میں شک نہیں کہ نماز عمامہ کے ساتھ بے عمامہ سے افضل کہ وہ اسباب تجمل سے ہے اور یہاں (یعنی نماز میں) تجمل محبوب اور مقام ادب کے مناسب مگر بایں ہمہ صورت مستفسرہ میں (یعنی مقتدی عمامہ باندھے ہوں اور امام فقط ٹوپی پہنے ہو) صرف ترک اولی ہوا تو اس سے کراہت لازم نہیں آتی تاوقتیکہ اس کا ثبوت کسی دلیل خاص شرعی سے ہو، ورنہ نماز چاشت واشراق وغیرہ ہر مستحب کا ترک مکروہ ٹھہرے۔ یہ صحیح نہیں حاشیہ شامیہ میں بحرالرائق سے نقل کیا۔

لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھتہ اذلا بد لھا من دلیل خاص و فیھا عن تحریر الاصول خلاف اولیٰ ما لیس فیہ صیغۃ نھی کترک صلوٰۃ الضحیٰ بخلاف المکروہ تنزیھا۔

بالجملہ۔ جب تک اس مادہ میں نہی ثابت نہ ہوگی کراہت نہ مانی جائے گی۔ (فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۲۷۳) غرضیکہ عمامہ کے ساتھ نماز کا افضل ثواب کا زیادہ ہونا حق ہے۔ مگر یہ تصویر کا ایک رخ ہے اور دوسرا رخ یہ ہے کہ بایں شان و جلال عمامہ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ عمامہ مستحبات نماز سے ہے باندھو تو ثواب، نہ باندھو تو کچھ گناہ نہیں۔ بغیر عمامہ کے نماز صحیح و درست، مکروہ تنزیہہ بھی نہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جو احادیث فضیلت عمامہ میں مروی ہیں ضعیف ہیں۔ اور یہ بات میں نہیں کہتا اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔ فضل صلاۃ بالعمامہ میں احادیث مروی اگرچہ ضعاف ہیں عمامہ مستحبات نماز سے ہے اور ترک مستحب سے خلل درکنارہ کراہت بھی نہیں آتی و ذالک لان التعمم من سنن الزوائد و سنن الزوائد حکمھا حکم المستحب (فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۲/۷/۳،۶،۷۳/۷/۷،۷۷،۲۲۷/۴۴۹، صفحہ ۴۵۱)

مجھے امید ہے کہ اس تفصیل سے آپ نے حضور ﷺ کی سنن زائدہ جو مستحب کے درجہ میں ہوتی ہیں کے تصویر کے دونوں رخ سمجھ لیے تو اسی کی روشنی میں آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہوا کہ بیٹھ کر کھانا چھری وغیرہ سے نہ کھانا بہتر افضل و مستحب طریقہ ہے اور حضور ﷺ کی سنت کی نیت سے اس طریقہ کو اختیار کرنا باعث برکت و ثواب بھی ہے۔

مگر بایں ہمہ: اگر کوئی مسلمان اس طریقہ کو نہیں اختیار کرتا اور ثواب نہیں لینا چاہتا تو یہ اس کی مرضی ہے۔ شریعت اسلامیہ کسی مسلمان پر یہ جبر نہیں کرتی کہ تم مسنون طریقہ کو اپنا کر ضرور ثواب لو۔ اور اسی طرح شریعت اسلامیہ کسی عالم یا واعظ کو یہ اجازت بھی نہیں دیتی کہ تمدن و تہذیب کے وہ طریقے جو مستحب و مسنون ہیں ان کو فرض واجب یا

سنت موکدہ کا درجہ دے دے یا جو مسلمان سستی کاہلی یا محض رواج کی بنا پر ان مسنون ومستحب طریقوں کو نہیں اپناتے انہیں مرتکب کبیرہ گناہ گار قرار دے کر ان پر لعن طعن کرے اور جبر وتشدد وغلو کو کام میں لاے، جیسا کہ بعض ایسے واعظ جن کے دماغ میں تکبر کا کیڑا پیدا ہو جاتا ہے، محض اپنے ترفع اور بڑائی کے لیے مذکورہ بالا قسم کی روک ٹوک اور تجسس و تحقیق میں لگے رہتے ہیں۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ایسے لوگوں کی اپنے فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۲۷) پر حجتہ الاسلام امام غزالی وعارف النابلسی علیہ الرحمہ کی تحریرات فی الاحیاء، والحدیقہ کی روشنی میں یوں نقاب کشائی فرمائی ہے ...... یہ وہ نکتہ جمیلہ وحکمت جلیلہ وکوچہ سلامت وجادہ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک واہل تقشف غافل وجاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پر دربجتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت ومقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں۔ خبر دار محکم گیر مینہ۔''

متعدد حدیثوں سے واضح وثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پانی نوش فرمایا ہے جیسا کہ ابھی آپ کے سامنے مکمل بحث آجائے گی۔ اسی طرح مشکوۃ شریف میں ہے کہ حضور کی خدمت میں بھنی ہوئی بکرے کی ران لائی گئی تو آپ چھری سے گوشت کاٹنے لگے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر بحضور نبی کریم پنیر پیش کیا گیا، تو آپ نے چھری سے بسم اللہ پڑھ کر پنیر کاٹا (ابوداؤد) حضور نے بکرے کے شانے کا گوشت چھری سے کاٹ کر کھانا چاہا کہ نماز کے لیے پکارا گیا۔ حضور مسجد تشریف لے گئے (بخاری) غور کیجئے۔ کھڑے ہو کر کھانا پینا، اسی طرح چھری سے کھاٹ کر کھانا خود حضور علیہ السلام کے فعل سے ثابت ہے تو اس کے جواز میں کیا شبہ اور کیا تردد۔ غرضیکہ اس طریقہ اکل وشرب کو سنت نصاریٰ ویہود قرار دے کر حرام کا فتویٰ دینا کس طرح درست قرار پا سکتا ہے؟ میں ایک بات بالکل واضح طور پر عرض کر دوں کہ جو واعظ حضرات کھڑے ہو کر کھانے پینے اور چھری کانٹے سے کھانے یا اسی قسم کے اور دیگر افعال اور طریقے جو اب رواج پا رہے ہیں (اور بے شک مسنون ومستحب طریقے نہیں ہیں) کو مطلقاً بلا کسی قید کے انتہائی غلیظ وکثیف اور طعن وطنز اور سخت حقارت اور نفرت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ تبلیغ کا یہ انداز اچھا نہیں کیونکہ بعض افعال فی نفسہ تو جائز ہوتے ہیں لیکن یہود ونصاریٰ کا طریقہ وسنت کی نیت وارادہ سے اس فعل کو کرنا حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کے ماتحت آتا ہے۔ اس لیے ممنوع قرار پائے گا اور اگر یہود ونصاریٰ سے مشابہت کا قصد ونیت نہ ہو تو پھر وہ فعل نہ منع ہے اور نہ گناہ، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کاغذ سے استنجا کرنا شرعاً منع ہے جبکہ (۱) کاغذ قابل کتابت (۲) یا قیمتی ہو (۳) یا یہود ونصاریٰ سے تشبہ کی نیت ہو۔ لیکن جو کاغذ قابل کتابت اور قیمتی نہ ہو یہود ونصاریٰ سے

قیمتی کپڑے اور کاغذ سے استنجا کرنا منع ہے!

تشبہ کی نیت بھی نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ یہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ اس میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے۔ دیکھئے فقہا احناف نے قیمتی کپڑے اور ایسے کپڑے سے جو کام آسکے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن پرانے بے کار اور ناکارہ کپڑے سے جائز قرار دیا ہے بلکہ ایسے کاغذ سے بھی جو قیمتی اور قابل کتابت نہ ہو سے استنجا کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ردالمتار میں ہے اذا كانت لعلة كونه آلة الكتابة يوخذ منها عدم الكراهة. فيما لا يصلح لها اذا كان قالعا للنجاسة غير متقوم كما قدمنا من جوازه بالخرق البوالي (فتاوی رضویہ ج ۲ صفحہ ۱۸۵)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے:

جبکہ سنت نصاریٰ کی نیت ہو او پیشاب کی چھینٹوں سے کپڑا یا بدن ملوث ہو، یا رہ گزر پر کھڑا ہو کر پیشاب کرنے کے باعث بے پردگی ہو اور اگر یہ تینوں حرج وعلتیں نہ ہوں تو جواز میں کیا شبہ ہے۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ اچھا، بہتر او تمام حرجوں سے پاک طریقہ یہ ہے کہ بیٹھ کر با پردہ پیشاب کرے لیکن مطلقاً کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ تحریمہ حرام و گناہ کبیرہ قرار دینا غلط ہے۔ علاوہ ازیں سراج امہ امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظاہر الروایہ بھی جواز ہی ہے۔ فافہم۔ اس موقع پر دو باتوں کی وضاحت اور کر دوں کہ تشبہ میں قصد و نیت یا جس بات میں تشبہ کر رہا ہے۔ اس کا ازروئے کتاب و سنت ممنوع و ناجائز ہونا ضروری و لازمی شرط ہے۔ اگر وہ فعل ازروئے کتاب و سنت مذموم و ممنوع نہ ہو اور کفار سے تشبہ کی نیت بھی نہ ہو تو وہ فعل جائز قرار پائے گا۔ ہاں کراہت تنزیہی کا قول کیا جائے تو کیجئے مگر اس کے لیے بھی دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتب میں عموماً اور ردالمختار میں علامہ شامی علیہ الرحمہ نے خصوصاً اس موضوع پر متعدد مقامات پر بحث فرمائی ہے اور فقہاء کرام نے جن بعض اعمال و افعال کو کفار و متبدعین سے تشبہ کی بنا پر ممنوع قرار دیا ہے۔ علامہ شامی نے انہیں افعال واعمال کو (اسی ضابطہ کے، تحت، کہ تشبہ وہاں ممنوع ہے جہاں وہ چیز ازروئے شرع مذموم ہو یا قصد و نیت ہو) جائز قرار دیا ہے۔

نماز میں قرآن دیکھ کر قرأت کرنا:

اگر امام قرآن کو دیکھ کر قرأت کرے تو نماز فاسد ہے۔ کیونکہ اس میں تلقن من المصحف پایا گیا۔ اور اگر ہاتھ میں اٹھا کر ورق گردانی بھی کرے تو یہ عمل کثیر ہے جو نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ لیکن یہ حکم غیر حافظ کے لیے ہے۔ اگر حافظ ایسا

کرے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ حافظ حفظ کی بنا پر پڑھے گا۔ قرآن کی طرف مجرد نظر مفسد صلاۃ نہیں ہے۔ لا السیٰ تلقنہ من المصحف و مجرو النظر بلا حمل غیر مفسد لعدم و جھی الفساد اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نماز اس صورت میں فاسد ہوگی کیونکہ حافظ کا اپنی یاد پر پڑھنا اور قرآن پر مجرد نظر رکھنا بغیر عمل کثیر کے گو کہ مفسد صلوٰۃ نہیں۔ مگر چونکہ بوقت قرأت قرآن سامنے ہے تو اس میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے مشابہت پائی گئی۔ اس لیے نماز فاسد ہوگی وھما بھا للتشبۃ باھل الکتاب چنانچہ صاحبین کی دلیل تشبہ کو صاحب درمختار نے اور علامہ شامی نے بھی رد کر دیا۔ اور یہ لکھا کہ تشبہ تو اہل کتب سے پایا گیا۔ مگر اہل کتاب سے ہر بات اور ہر فعل میں تشبہ

ای ان قصدہ فان التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیءٍ بل فی المذموم و فیما یقصدبہ التشبہ (ردمختار)

ممنوع نہیں ہے۔ ممنوع اسی چیز میں جو شرعاً مذموم ہو یا تشبہ کا قصد کیا جائے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں۔ بحر جامع صغیر میں بھی یہ ہی ضابطہ لکھا ہے اور اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جو ذخیرہ میں ہے (یہ واقعہ وہی ہے نعلین مخصوفین والا، جو اس کتاب کے کسی صفحہ پر درج ہے۔)

دوسری مثال علی علیہ السلام: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ غیر انبیاء پر سلام لکھنا مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی جو لوگ علی علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام لکھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل ممانعت تشبہ بالروافض ہے..... حضرت علامہ شامی نے آخر میں یہ ہی فیصلہ کیا ہے۔ روافض و اہل بدع سے تشبہ کی بنا پر حکم کراہت تحریمی لگانا درست نہیں۔ کیونکہ اہل بدعت وغیرہ سے مشابہت ممنوع تو ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ ان باتوں میں جواز روئے کتاب و سنت مذموم ہوں یا قصد تشبہ کا کیا جائے اور علیہ السلام لکھنا چونکہ شرعاً مذموم نہیں ہے اور لکھنے والے روافض سے تشبہ کی نیت بھی نہیں کرتے۔ اس لیے علیہ السلام لکھنے کو مکروہ تحریمہ قرار دینا صحیح نہیں (۱) ہے۔ الغرض فقہاء کرام کی ان تصریحات جلیلہ سے تشبہ کے مسئلہ کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اب سنئے۔ جو لوگ مطلقاً تشبہ کو حرام حرام اشد وسخت حرام ہونے کا فتویٰ جڑ رہے ہیں اور جنہیں وہ بھی اپنا اکابر ہی مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب مدظلہ صاحبزادگان اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ بھی یہ فرماتے ہیں۔ آپ سے سوال ہوا مصافحہ و معانقہ تو سنن روافض سے ہے۔

مصافحہ ومعانقہ شعار روافض ہے؟ پھر جائز کیوں؟ جواب میں فرماتے ہیں، رہا مصافحہ ومعانقہ کا سنن روافض سے ہونا، اگر صحیح بھی ہو تب بھی اب تو ان کی سنت نہ ان میں۔ اس کا رواج جب کبھی ہوگا، ہوگا ایسی صورت میں سرے سے علت ہی مرتفع اس واسطے علامہ حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں: الا انہ من شعار الروافض فیجب التحرز عنہا قلت لعلہ کان و بان رسالہ طرب الکرام صفحہ ۳۸۔

سیدھے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا شعار روافض ہے: علامہ شامی جواب دیتے ہیں۔

ہاں سابقہ زمانہ میں یہ فعل شعار روافض تھا، لیکن اب نہیں ہے۔ لہذا اس زمانہ میں ناجائز کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

کان ذالک من شعار ھم فی الزامن السابق ثم انفصل و انقطع فی ھذا لرمان فلا ینھیٰ عنہ (ردالمحتار)

ان مثالوں سے انصاف و دیانت کے ساتھ کسی مسئلہ پر غور وفکر کرنے والوں کے لیے رضوی کے موقف کی حقانیت آفتاب نیمروز سے بھی زیادہ روشن ہو جاتی ہے ہاں ضد وتعصب یہ دوسری چیز ہے اور لا علاج ہے۔

شعار اس کی تعریف حدود کیفیت کے متعلق علماء اہلسنت واکابرین ملت کی

لے (۱) ولا یصلی علی غیر الانبیاء ولا غیر الملائکۃ الا بطریق التبع (ردالمحتار) واختلف ھل تکرہ تحریما او تنزیھا. او خلاف الاولیٰ وصح النودی فی الاذکار الثانی و لکن فی خطبۃ شرح الاشباہ للبیری من صلیٰ غیر ھم اثم و کرہ و ھو الصحیح و اما السلام فنقل اللقانی. فی شرح جوھر التوحید عن الامام الجوینی. انہ فی معنی الصلاۃ. فلا یستعمل فی الغائب و لا یفرد بہ غیر الانبیاء فلا یقال علی علیہ السلام (۲) والظاھر ان العلۃ فی منع السلام ماقا لہ النودی فی علۃ المنع الصلاہ ان ذالک شعار اھل البدع ولأن ذالک مخصوص فی لسان السلف بالانبیاء علیھم السلام کما ان قولنا عزوجل مخصوص باللہ تعالیٰ، فلا یقال محمد عزوجل و ان کان عزیزا جلیلا (۳) وقال القاضی عیاض، الذی ذھب الیہ المحققون و اھل الیہ ماقالہ مالک و سفیان اوختارہ غیر واحد من الفقھا و المتوکلین انہ یحب تصیص النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء بالصلاۃ والتسلیم کما یختص اللہ سبحانہ و تعالیٰ عند ذکرہ بالتقدیس. ویذکر من سواہ بالغفران والضاء کما قال اللہ تعالیٰ: رضی اللہ نھم و رضواعنہ (۴) و ایضا فھو امرلم یکن معروفافی الصدر الاول و انما احدثہ الروافضۃ فی بعض الائمۃ والتشبہ باھل البدع منھی عنہ. فتجب مخالفتھم اھل قول، کراھۃ التشبہ باھل البدع مقررۃ عندنا ایضا لکن لا مطلقاً بل فی المذموم و فیما قصد بہ التشبہ بھم. (ردالمحتار شامی)

تصریحات جمیلہ وتوضیحات جلیلہ

چنانچہ شعار اور اس کی حدود کیفیت کے متعلق اکابرین علماء اہلسنت وفقہاء احناف کی تصریحات وتوضیحات بھی ہمارے موقف کی صاف وصریح طور پر تائید وتوثیق ہوتی ہے۔ ضد وحسد کا معاملہ دوسرا ہے لیکن جہاں تک دلائل شرعیہ کا تعلق ہے اللہ کے فضل سے رضوی کا موقف ثابت وحق ہے اور مذاکرہ علمی حصہ سوم میں شعار کے متعلق رضوی نے جو کچھ لکھا ہے انہیں علماء اہلسنت کی تحریرات تصریحات کی روشنی میں لکھا ہے ملاحظہ فرمائیے:

....

(۱) کسی قوم کا شعار وہ جس سے ان کی پہچان ہو (۲) جو چیز اہلسنت ودیگراں میں مشترک ہو ہرگز زیر تشبہ نہیں آ سکتا (۳) خلاف مشرکین شعار مشرکین میں ہے (۴) تشبہ اس وقت مکروہ ہے جبکہ نیت ارادہ بھی ہو اور وہ چیز شرعاً مذموم بھی ہو (۵) مشابہت میں قصد ونیت کا اعتبار لازمی ہے (۶) ہمارے اور کفار میں کسی امر میں تفاوت پیدا ہو جائے تو حکم تشبہ باطل ہو جاتا ہے (۷) احادیث سے ثابت ہے کہ جب مشبہ مشبہ بہ میں ذرا تغیر پیدا ہو جائے حکم تشبہ باقی نہ رہے گا (۸) شعار فساق وکفار میں ذرا تغیر سے حکم بدل جاتا ہے (۹) مشابہت اس چیز میں منع ہے جو کفار ومشرکین کے مذہب کا خاص تمغہ اور پختہ علامت ہو (۱۰) کفار سے ہر بات میں مشابہت منع نہیں۔ صرف ان باتوں میں منع ہے جواز روئے قرآن وحدیث مذموم ہوں (۱۱) شعار کفار وہ ہے جو ان کی دینی ومذہبی علامت ہو (۱۲) جو چیز کسی زمانہ میں شعار کفار ہو، پھر اس کی شعاریت ختم ہو جائے تو حکم ممانعت بھی ختم ہو جائے گا (۱۳) کسی چیز یا فعل کا ہر زمانہ میں شعار کفار وفساق رہنا ضروری نہیں ہے۔ یہ تو رضوی کا دعوی ہے اب دلائل سنئے۔

....

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

بالجملہ یہ قاعدہ نفیسہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ قرآن وحدیث سے جس چیز کی بھلائی یا برائی ثابت ہو، وہ بھلی یا بری ہے اور جس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہو وہ معاف وجائز ومباح وروا۔ اور اس کو حرام وگناہ نادرست وممنوع کہنا شریعت مطہرہ پر افتراء (انہار الانوار صفحہ ۱۴)

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

(۱) فاتحہ دینا امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام کو وہابیہ ناجائز و حرام بتاتے ہیں ان کے رد میں اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

شربت و آب سبیل محرم صاف حرام کراتے یہ ہیں

(۱) اس میں رافضیوں کا تشبہ گڑھا حالانکہ محض جھوٹ ہے (۲) جو فعل اہلسنت و دیگران میں مشترک ہو ہرگز زیر تشبہ نہیں آسکتا۔ صفحہ ۱۹۲۔ الاستمداد

(۲) کسی قوم کا شعار وہ جس سے ان کی پہچان ہو اور ان میں اور ان کے غیر میں اس سے امتیاز کیا جاتا ہو۔ الاستمداد صفحہ ۱۸۲۔

(۳) دنیا میں کون اندھے سے اندھا خلاف مشرکین کا یہ مطلب سمجھے گا کہ مشرکین روٹی کھاتے ہیں تم بھوکے رہو، وہ پانی پیتے ہیں تم پیاسے مرو۔ خلاف مشرکین شعار مشرکین میں ہے (لمعۃ الضحیٰ) صفحہ ۱۲

(۴) یہ احادیث باعلیٰ ندا منادی کہ قرآن وحدیث میں جن باتوں کا ذکر نہیں نہ ان کی اجازت ثابت نہ ممانعت وارد وہ اصل جواز پر ہیں۔ بالجملہ یہ قاعدہ نفیسہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ قرآن وحدیث سے جس چیز کی بھلائی یا برائی ثابت ہو وہ بھلی یا بری ہے اور جس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہو وہ معاف جائز و مباح و روا اور اس کو حرام و گناہ و نادرست و ممنوع کہنا شریعت مطہرہ پر افتراء

لا تقولو. لما تصف السنتكم الكذب هذا حلال و هذا حرام لتفتراوا على الله الكذب ان الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون (قرآن مجید) (انھار الانوار صفحہ ۱۴)

اور (اے مفتیو!) نہ کہو جو تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں۔ یہ حلال ہے یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہوتا۔

جہالت قبیحہ و سفاہت فضیحہ ہے: (۵) صلاۃ الاسرار کو بلا دلیل شرعی ممنوع کہنے والے کے متعلق لکھتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے خلاف بتانا محض بہتان افتراء ہرگز ہرگز قرآن وحدیث میں کہیں اس کی ممانعت نہیں۔ نہ مخالف کوئی آیت یا حدیث اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کر سکا۔ ہر جگہ صرف زبانی ادعا سے کام لیا۔ مگر یہ وہی جہالت قبیحہ و سفاہت فضیحہ ہے جس میں فرقہ جدیدہ طائفہ حادثہ قدیم سے مبتلا۔ (انہار الانوار صفحہ ۱۴)

حضرت علامہ حامد رضا خاں صاحب و مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب سجادہ نشین آستانہ اعلیحضرت بریلوی شریف

رہی مشابہت تو وہ مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ اس امر میں ممنوع ہے جو فی نفسہ شرعاً مذموم ہو یا اس قوم کا خاص شعار ہو یا خود فاعل کو ان سے مشابہت پیدا کرنی ہو، ورنہ زنہار وجہ ممانعت نہیں لاکھوں باتیں ہیں جن کے کرنے میں اہلسنت اور روافض بلکہ مسلمین و کفار یکساں ہیں۔ کیا وہ سب اس وجہ سے ممنوع ہو جائے گی ہر گز نہیں (دیکھو شامی) و کراھة العشیہ باھل البدع مقررنا عندنا ایضاً لکن لا طلقاً بل نیٔ المذموم و فیما تصربہ التشبہ اور طحاوی علی العلائی عن البحر. التشبہ باھل لاکتاب لایکرہ فی کل شیءٍ فانا نا کل و نشرب کما یفعلون انما الحرام التشبہ فیما کان مذموماً و فیما قصد بہ التشبہ۔ (از رسالہ طرب الکرام صفحہ ۳۸)

ترجمہ: اور اہل بدعت سے تشبہ کا مکروہ ہونا ہمارے ہاں ثابت ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ ممنوع اس میں ہے (جو نی نفسیہ شرعاً) مذموم یا وہاں ان سے مشابہت کا قصد کیا جائے طحاوی و بحر میں ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاری سے تشبہ ہر شے میں مکروہ نہیں ہے کہ ہم بھی کھاتے پیتے ہیں اور وہ بھی جزی نیت کہ تشبہ حرام اس امر میں ہے جو شے شرعاً مذوم ہو یا فاعل کو ان سے مشابہت پیدا کرنی ہو۔

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب مصنف ''انوار ساطعہ'':

حضرت مولانا عبدالسمیع اپنی تالیف ''انوار ساطعہ'' میں لکھتے ہیں:

(۱) (وہابی دیوبندی) سب کے سب اس مسئلہ میں بے سمجھے بوجھے حکم تشبہ لگا رہے ہیں اور حدیث نبوی مـــــن تشبہ بقوم فھو منھم کو نہایت درجہ بے محل پڑھ رہے ہیں۔ فما لھو لاء القوم لا یکادون یفقھو ن حدیثا۔ یہ لوگ تشبہ کے نہ معنی نحوی جانیں نہ اصطلاحی۔ اس لیے کہ نحوی معنی تشبہ کے ہیں، مانند ہو جانا۔ (انوار ساطعہ صفحہ ۱۰۲)

(۲) اب معنی شرعی سنئے۔ صاحب بحر الرائق شرح جامع صغیر قاضی ان سے نقل کرتا ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ ہر بات میں مکروہ نہیں فانا ناکل و نشرب کما یفعلون یعنی اس لیے کہ ہم بھی اسی طرح کھاتے پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں اور در مختار میں قید لگائی ہے کہ اگر ارادہ کرے آدمی ان کے ساتھ مشابہت کا اور جس چیز میں

مشابہت پیدا کرتا ہے وہ شرع میں مذموم بھی ہواس وقت تشبہ مکروہ ہے عبارت اس کی یہ ہے ان قصده فان التشبه بهم لا يكره في كل شئي بل المذموم و فيما يقصدبه التشبه اور مسلم رکھااس کوشامی نے۔

۳۔اور مولوی اسمعیل صاحب کی تحریر سے بھی رسالہ اثبات رفع یدین میں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی مشابہت کے مکروہ ہونے میں قصد کو معتبر رکھا ہے یعنی جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان ملکوں میں رفع یدین کرنے میں تشبہ روافض کے ساتھ لازم آتا ہے۔اس کے جواب میں لکھتے ہیں لانتحری تشبه الفرق الضلالة بل اتفقت الموافقه یعنی ہم رفع یدین میں ارادہ تشبہ فرقوں گمراہ کا نہیں کرتے۔بلکہ اتفاقاً موافقت لازم آتی ہے (انوار ساطعہ صفحہ ۱۰۲)

۴۔پس واضح ہوا کہ من وجہ بوئے تشبہ بنظر ظاہر کسی امر میں پیدا ہو جاتی ہرگز شرعاً ممنوع نہیں ہے صفحہ ۱۰۱ اور یہ مسئلہ شرعی ہے کہ جب ہمارے اور کفار کے درمیان کسی امر میں تفاوت پیدا ہو جاتا ہے تو حکم تشبہ باطل ہو جاتا ہے۔ حدیث وفقہ پڑھنے والوں کو یہ بات یاد ہوگی کہ یہود صوم عاشورہ رکھتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ تم بھی رکھو اور مشابہت یہود سے جو لازم آتی تھی اس کی مخالفت میں اس قدر کافی ہو گیا کہ آپ نے ایک روزہ اول وآخر رکھنے کا حکم دیا۔صفحہ ۱۰۲

۵۔اور کنز العباد میں ہے کچھ مضائقہ نہیں کہ اہل مصیبت گھر کے اندر یا مسجد میں بیٹھ جائیں کہ لوگ اس کی تعزیت کو آئیں لیکن دروازہ پر نہ بیٹھے فان ذالک عمل اهل الجاهلية دیکھئے ذرا تغیر سے حکم بدل گیا۔الحاصل ان نظیروں سے ثابت ہو گیا کہ جب مشبہ اور مشبہ بہ میں تمیز آجائے گا حکم تشبہ باقی نہ رہے گا۔صفحہ ۱۰۲

۶۔اور یہ بھی کہ تشبہ مٹانے کے لیے اول آخر روزہ ملانا کافی ہوا۔اب دیکھیے وہ اصل روزہ عاشورہ جس کو یہود رکھتے تھے اس فعل میں مسلمان شریک رہے۔لیکن ایک روز ہو اول اور آخر ملانے سے جو تغایر پیدا ہوا حکم تشبہ باطل ہو گیا۔صفحہ ۱۰۳

۷۔اور علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں یعنی ہم کو مشابہت کافرون اور بدعتیوں کے ساتھ اس بات میں منع ہے جو ان کے دین کا خاص تمغہ اور پختہ علامت ان کے فریق کی ہے اور نہیں منع مشابہت ہر مباح بدعتوں میں اگر چہ وہ بدعتیں افعال اہل سنت وجماعت سے ہوں یا کافر سے یا اہل بدعت سے (صفحہ ۱۰۴ انوار ساطعہ)

حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی: مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ اپنی مشہور و معروف تالیف جاء الحق میں لکھتے ہیں: نیز جو کام کہ کفار کی قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں۔ اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں تو شوق سے پڑھیں یہ اچھا کام ہے اور اچھے کام میں مشابہت بری نہیں ہوتی۔ (جاء الحق صفحہ ۳۶۸)

امام بدر محمود عینی: امام بدر محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ختنہ کی نسبت نقل فرماتے ہیں:

انه من شعار الدين كا لكلمة و به يتميزا لمسلم من الكافر (صفحه۲۰)

ختنہ شعار دین اسلام سے ہے جیسے کلمہ اور اسی سے کافر و مسلم میں امتیاز ہوتا ہے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ: قلت بل اشعار هو المراد بالتشبه لاغيره (مرقات ج۴ صفحه ۴۳۱)

میں کہتا ہوں کہ مراد تشبہ سے صرف شعار ہی ہے اور کچھ نہیں۔

انا ممنوعون من التشبه بالكفرة و اهل ابدعة فى شعائر هم لا منيهون عن كل بدعة فالمدار على الشعار (شرح فقه اكبر)

ترجمہ: یعنی کفار و اہل بدعتہ کے شعار میں تشبہ منع ہے نہ یہ کہ ہر بدعتہ ان کی ممنوع ہو تو مدار ممانعت شعار پر ہے۔

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین: رد المختار میں فرماتے ہیں۔ سیدھے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا شعار روافض سے تھا۔ مگر اب نہیں ہے۔ اس لیے یہ فعل جائز ہے۔

و يجعله لبطن كفد فى يده اليسرى و قيل اليمنى الاانه شعار الروافض فيجب النخرزعنه قهستانى وغيره قلت و لعله كان و بان فتبصر (روالمخختار) عبارة القهستانى عن المحيط ان يجعله فى اليمنىٰ الا انه شعار الروافض قوله (ولعله كان و جان اى كان ذالک من شعار هم فى الزمن السابق ثم انفصل و انقطع فى هذا لزمان فلاينهىٰ عنه كيفما كان (ردالمختار)

مفسر کبیر علامہ ابن کثیر کا ارشاد: مفسر شہیر حضرت علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر ابن کثیر میں حدیث من تشبہ

کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

فیہ دلالة علی النھی الشدید و التھدید وو الوعید علی التشبہ بالکفار فی اقوالھم و افعالھم ولباسھم و اعیادھم و عباداتھم وغیر ذالک من امورھم التی لم تشرع لنا و لا نقر علیھا (تفسیر ابن کثیر)

اس حدیث میں کفار کے ساتھ تشبہ کے متعلق سخت وشدید نہی فرمائی گئی ہے وعید شدید بھی کفار سے ان کے اقوال وافعال لباس عبادت اور عادتوں وغیرہ ذالک امور سے تشبہ میں وہ جو ہم مسلمانوں کے لیے مشروع نہیں کیے گئے اور نہ ان کو حضور علیہ السلام نے ثابت رکھا۔

قاضی فقہ حنفی سیدنا امام ابو یوسف: فرماتے ہیں:۔ قال ھشام فی نوادرہ رایت علی ابی یوسف رحمة اللہ نعلین محفوفین بمسامیر الحدید. فقلت لہ اتری باسا بھذہ الحدین. فقال لا فقلت لہ ان سفیان. و ثوربن یزید. کرھا ذالک لانہ تشبہ بالرھبان فقال ابو یوسف علیہ الرحمہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلبس النعال التنی لھا. شعور. وانھا من لباس الرھبان. فقد اشاران صورة المشابھة فیما یتعلق یہ صلاح العباد لا تضر. وقد تعلق بھذا النوع. من الاحکام صلاح العباد فان الاراضی ما لا یمکن قطع المسافة البعیدة فیھا الابھذ النوع من الاحکام کذا فی المحیط فی المتفرقاتہ (عالمگیری ج ۵۔ صفحہ ۳۳۳)

حضرت ہشام علیہ الرحمہ فرماتے ہیں میں نے امام ثانی سیدنا امام ابو یوسف کو کیلوں والی جوتی پہنے دیکھا تو عرض کی حضرت سفیان وثور بن یزید ان جوتیوں کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ کیونکہ ان سے عیسائی راہبوں سے تشبہ پیدا ہوتا ہے کیا آپ ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں دیکھتے۔ امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں والی جوتیاں پہنی ہیں۔ حالانکہ وہ عیسائی راہبوں کے لباس سے ہے تو امام ابو یوسف نے اپنے اس جواب سے یہ واضح فرمایا شرعاً ایسی چیز میں جس میں لوگوں کا فائدہ ہو۔ یہ مشابہت صوری شرعاً نقصان دہ نہ ہوگی۔ بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جو انہیں جوتیوں کو پہن کر طے کیے جاسکتے ہیں۔ اسی لوع کے دیگر احکام میں بھی اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ (اور مشابہت کے باوجود شرعاً ممانعت کا حکم نہ لگایا جائے گا) عالمگیری ...... ان اصولی و بنیادی امور کو خوب اچھی طرح

سمجھ لیجئے آگے چلنے سے پہلے اس موقع پر مناسب ہے یہ کہ جناب عبدالرشید صاحب کے سوال کا جواب دے دوں جو یہ ہے۔

کفار و مشرکین و فساق کے ملبوسات کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے: علامہ رضوی صاحب

آپ نے میرے سوالات کے جوابات میں یہ بھی لکھا ہے کہ (۱) کفار و مشرکین کے ملبوسات اور مال غنیمت میں جو ملبوسات کفار و مشرکین سے حاصل ہوتے تھے تو ان ملبوسات کے متعلق شارحین حدیث نے یہ بحث تو کی ہے کہ وہ ناپاک قرار پائیں گے یا پاک اور یہ کہ سونے چاندی ریشم سے بنے ہوئے تو نہ تھے۔ لیکن اس امر پر بحث نہیں کی جاتی کہ یہ ملبوسات شعار کفار بھی ہیں یا نہیں اور پھر آپ نے اس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ کافروں اور فاسقوں کے کپڑے پہن کر نماز جائز ہے تو پہننا بطریق اولیٰ جائز آپ کے اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے۔

الجواب: اچھا جناب آپ میری بات نہ مانیے۔ فقہا احناف اور خصوصاً اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی تو مانیں گے؟ تو سنئے! جو کچھ میں نے لکھا ہے دلائل شرعیہ کی روشنی میں صحیح و درست ہے۔ خود اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے یہ تصریح فرمائی ہے۔

(۱) فاسقوں اور اہل ذمہ کافروں کے استعمال شدہ کپڑوں میں نماز جائز ہے۔ الا یہ کہ یقین ہو کہ یہ ناپاک ہیں تو پھر پاک کر کے پہنے اور نماز پڑھے۔ مگر مطلقاً پہننا جائز ہے (۲) یہ کہ مال غنیمت کے طور عہد نبوی و عہد صحابہ و عہد تابعین میں کفار و مشرکین کے جو ملبوسات ملتے تھے تو ہر دور کے مسلمان بلا روک ٹوک و بلا تحقیق و تجسس انہیں پہن کر نمازیں پڑھتے تھے۔ اور اس معاملہ میں مابین المسلمین توارث کا جاری ہونا ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ ملاحظہ کیجئے اور اعلیٰحضرت کے اصل الفاظ بغور پڑھیے:

تامل کرو کس قدر معدن بے احتیاطی بلکہ مختزن ہر گونہ گندگی ہیں۔ کفار خصوصاً کے شراب خوار کے کپڑے علی الخصوص پاجامے کہ وہ ہرگز استنجے کا لحاظ رکھیں نہ شراب و پیشاب وغیرہا نجاسات سے احتراز کریں پھر علماء حکم دیتے ہیں کہ پاک ہیں اور مسلمان بے دھوئے پہن کر نماز پڑھ لے تو صحیح و جائز، جب تک تلوث واضح نہ ہو، در مختار میں ہے:۔

ثیاب الفسقة و اهل الزمة طاهر (در مختار) سوا ویل الکفرة من الیهود و النصاریٰ

والمجوس يغلب الظن نجاسته ، لانهم لا يستنجون من غيران يا خذا لقلب بذالک فتصح الصلاة فيه لان الاصل اليقين باطهارة۔

فاسقوں اورزمی کافروں کے کپڑے پاک ہیں۔ یہود ونصاریٰ اور مجوس کی سروالوں میں غالب ظن یہ ہے کہ وہ نجس ہوں کیونکہ وہ استنجی نہیں کرتے (حالانکہ) دل ان کے کپڑوں کی پاکی سے مطمئن نہیں ہوتا۔ لیکن بایں ہمہ ان کپڑوں میں نماز جائز ہے کہ اصل تو یہ ہی یقین ہے کہ یہ پاک ہیں (ترجمہ رضوی) لیکن عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے آج تک مسلمین میں متوارث کہ لباس غنیمت میں نماز پڑھتے ہیں اور ظنون و وساوس کو دخل نہیں دیتے۔ حلیہ میں ہے:۔

التوارث جار فيما بين المسلمين في الصلوٰة بالشياب المغزمة (فتاوی رضویہ جلد دوم صفحہ ۱۰۶)

ترجمہ: غنیمت میں حاصل ہوئے لباس کفار کو پہن کر نماز پڑھنے پر مسلمانوں کا توارث ہے۔

لنڈا بازار کے پرانے کپڑے: درمختار وحلیہ، جو فقہ حنفی کی کتابیں ہیں ان کے مذکورہ بالا حوالوں سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا۔ کہ لنڈے بازار میں غیر ممالک سے جو پرانے کپڑے فروخت ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ فاسقوں، کافروں، مشرکوں، یہودیوں اور عیسائیوں اور نا معلوم کن کن لوگوں کی اترن اور استعمال شدہ کپڑے ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق حکم شرعی یہ ہی ہے کہ پاک قرار دیے جائیں گے۔ محض وہم وگمان کی وجہ سے (کہ امریکہ ولندن کے لوگ استنجا نہیں کرتے) ان کو شرعاً ناپاک نہیں قرار دیا جائے گا۔ الا یہ کہ تلوث واضح ہو جائے تو پھر دھو کر استعمال کیے جائیں۔

۲۔ رہا شیطان کے طریقہ کا معاملہ: تو یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھیے کہ احادیث وفقہ میں جب کسی فعل یا چیز کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ شیطان کا طریقہ ہے، یا عجمیوں، یا متکبروں یا بدعتیوں یا مشرکوں یا یہودیوں مجوسیوں کا طریقہ ہے محض اس نسبت کی وجہ سے اس فعل یا چیز کو بہر حال یو بہر صورت ممنوع، ناجائز وحرام قرار دے دیا شرعاً درست نہیں ہے۔ الا یہ کہ دیگر دلائل شرعیہ سے واضح طور پر اس فعل یا چیز کا ممنوع و مذموم ہونا ثابت ہو جائے دیکھئے کتب فقہ میں لکھا ہے۔

۱ . والخف الاسود خف العلماء و لقد لقيت عشرين من كبار فقها بلخ فما رايت لاحد هم

خفا ابیض ولا احمر ولا سمعت انه امسکه۔

ترجمہ: کالے رنگ کا موزہ علماء کا لباس ہے میں نے بیس کبار فقہا بلخ سے ملاقات کی کسی کو سفید رنگ اور سرخ رنگ کا موزہ پہنے یا رکھے، نہ دیکھا اور نہ سنا۔

۲. وردی انه علیه السلام امسک خفا اسود اهدی له خفان اسودان فقبض ولبس کذا فی القنیه (عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۳۴)

۲۔روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کالے رنگ کے موزے رکھتے تھے اور آپ نے ان کو استعمال بھی فرمایا اور حضور کو دو کالے موزے بطور ہدیہ پیش کیے گئے۔

۳. و اتخاذ النعل من الخخشب بدعة. (عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۳۰)

۳۔لکڑی کی جوتی بنانا بدعت ہے۔

۴. وعن ابی القاسم الصفار الخف الاحمر خف فرعون. والخف الابیض خف هامان. (عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۳۴)

۴۔ابوالقاسم الصفار کہتے ہیں، سرخ رنگ کا موزہ فرعون کا اور سفید رنگ کا موزہ ہامان کے ملبوسات سے ہے۔

قیام تعظیمی اور اعاجم: اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہو۔تو کیا جس چیز کی نسبت عجم کی طرف ہو جائے وہ حرام قرار پائے گی۔

مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔**لا تقوموا کما تقوم الاعاجم** ایسے مت کھڑے ہو جیسے عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں؟ اس حدیث کے ماتحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں خود قیام مکروہ نہیں۔

قیام مکروہ بعینہ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر دے محبت قیام ندارد و قیام برائے دے مکروہ نیست۔(جاء الحق صفحہ ۲۲۸/۲۲۹)

بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے۔اگر وہ قیام نہ چاہتا ہے تو اس کے لیے مکروہ نہیں۔

غور فرمایئے:۔فقہاء احناف نے لکڑی کی جوتی کو بدعت، سفید رنگ کے موزے کو ہامان اور سرخ رنگ کے موزوں کو فرعون کا لباس قرار دیا۔اور ان کی ٹوپی کو بدعت (شرح فقہ اکبر) اور احادیث نبویہ میں باران کوٹ (برنس

کو) لباس نصاریٰ (عینی) جبہ طیالسہ کو لباس عجم (مرقات) بال کے چمڑے کی جوتیوں کو عیسائی پادریوں کا لباس (دجیز) ثوب معصفر کو ثوب کفار (مسلم)......حتیٰ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہدایت جاری فرمائی۔

فتز روا وارتدوا. والقوا لخفاف والسرا ویلات وعلیکم بلباس ابیکم اسماعیل. (نووی)

ترجمہ: تہبند باندھو، چادر اوڑھو، موزے اور سروال ترک کرو۔ اور لباس اسماعیل کو اختیار کرو۔

تو کیا مذکورہ بالا تمام ملبوسات کو محض اس بنا پر کہ یہ لباس فرعون وہامان یا وضع نصاریٰ و یہود و لباس عجم، یا لباس رہبان ہے، حرام واشد حرام و سخت حرام قرار دینا ازروئے کتاب وسنت صحیح ودرست قرار پائے گا۔ اور کیا فقہا احناف دائمہ دین نے باوجود ان ملبوسات کو لباس کفار قرار دینے کے پہننا ان کا حرام قرار دیا ہے؟ مسئلہ کی وضاحت مزید کے لیے مانعین صاحبان اس نکتہ پر بھی غور کریں۔ سیدنا فاروق اعظم نے سوزے اور شلوار استعمال کرنے سے منع فرمایا...... حالانکہ شلوار لباس سیدنا ابراہیم خلیل سے ہے۔ اور موزے (۱) سنت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ہیں:۔ علامہ بدر محمود عینی حنفی لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ زین الدین نے فرمایا کہ حدیث ابو ہریرہ میں مرفوعاً مروی ہے۔

ان اول من لبس السرائیل ابراهیم علیه السلام. (عینی)

سب سے پہلے شلوار سیدنا ابراہیم خلیل نے استعمال فرمائی ہے۔

اور حضور کا شلوار پہننا ثابت نہیں۔ البتہ حضور علیہ السلام کا چار درہم میں شلوار کا خرید فرمانا اور پسند کرنا ثابت ہے۔ عینی و مرقات......(بخاری جلد دوم صفحہ ۸۶۳) بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار پہننے کا حکم فرمایا۔

عن ابی امامة قال قلنا یا رسول الله ان اهل الکتاب تیسر ولون ولا یا تترزون فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم تسو لوا و اتز روا و خالفوا اهل الکتاب (احمد وطبرانی)(نیل الاوطار ج ۱)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ نے بحضور نبوی عرض کی، یا رسول اللہ یہ اہل کتاب یہود (۲) و نصاریٰ شلوار پہنتے ہیں لیکن تہبند نہیں باندھتے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تم تہبند بھی باندھو اور شلوار بھی پہنو اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو۔

اسی شلوار و موزے کے پہننے سے حضرت فاروق اعظم منع فرما رہے ہیں جو لباس سیدنا ابراہیم خلیل ہے کیا فاروق اعظم ایسے لباس سے جسے حضور علیہ السلام نے استعمال فرمایا یا پسند فرمایا منع کر سکتے ہیں؟ الغرض مذکورہ بالا حقائق سے واضح ہوا کہ احادیث و اثار و کتب فقہ میں جس فعل یا لباس کو لباس کفار یا فعل کفار قرار دیا گیا ہو اس کے استعمال کو مطلقاً مسلمانوں کے لیے حرام واشد حرام کا فتویٰ دینا شرعاً غلط اور مردود ہے اور اس کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ

فقیہان عصر جو رضوی پر تجدد و پسندی کا الزام لگاتے اور بزعم خود مسلک اعلیٰحضرت کے تحفظ کی نفیری بجاتے اور محض بغض وحسد کی بنا پر رضوی کے متعلق عوام میں غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں۔ وہ خود بھی برنس لباس رہبان، سرو سفید کے رنگ کے موزے لباس فرعون و ہامان جبہ طیالسہ لباس عجم بالوں کے چمڑے کی جوتی لباس رہبان نصاریٰ، شلوار و موزے (جس کے استعمال سے امیر المومنین فاروق اعظم نے فرمایا) کو جائز و مباح قرار دیتے ہیں۔

اس موقع پر بات کھول دوں کہ میرا مقصد افہام و تفہیم ہی ہے تو جناب سن لیجئے کہ جناب فاروق اعظم کے ہدایت نامہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

قال اما بعد. فاتزروا وارتدوا. والقوا الخفاف والسراويلات وعليكم بلباس ابيكم اسماعيل و اياكم والتنعم رزى الاعاجم و عليكم بالشمس فانها حرام العرب وتمعددوا. و خشوشنوا. واقطعوا الركب. وابرزوا وارموا الاغراض (نوری)۔

اور مسلم کی حدیث میں **اياكم والتنعم وزى الا عاجم** کے الفاظ ہیں۔ اور شارحین حدیث نے ان دونوں اثروں سے یہ نتیجہ نہیں نکالا کہ لباس عجم، یا شلوار یا زی الاعاجم کا پہننا حرام اشد حرام ہے بلکہ اس نوع کے آثار و احادیث تبصرہ کر کے شارحین کرام و آئمہ اسلام و فقہاء عظام نے صرف یہ بتایا اور تصریح کی ہے کہ مقصود صرف زہد و قناعت اور سادگی اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ یہ نہیں کہ زی الاعاجم حرام و اشد حرام ہے جیسا کہ فقیہان عصر سمجھ رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:۔

(۱) اور موزے پہننا تو حضور علیہ السلام کی ایک واضح و ثابت سنت ہے اور موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ فقہ کی ہر کتاب میں موجود بلکہ مسح علی الخفین کو علامت اہلسنت و شعار اہلسنت تک قرار دیا گیا۔

(۲) یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے حضور علیہ السلام نے باوجود اس بات کے کہ صرف شلوار پہننا یہود و نصاریٰ کا طریقہ تھا۔ شلوار پہننے کی ممانعت نہیں فرمائی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ تم نصاریٰ کی مخالفت اس طرح کرو کہ تہبند بھی باندھا کرو۔ دوم یہ کہ مطلب حدیث یہ نہیں ہے کہ تم شلوار و تہبند یکدم استعمال کرو۔ شاید فقیہان عصر یہ مطلب لیتے ہوں گے مگر جو شخص ذرا بھی فقہی بصیرت رکھتا ہے وہ یہی مطلب لے گا اور شارحین نے بھی یہی مطلب بیان فرمایا ہے کہ مطلب حدیث یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ صرف شلوار پہنتے ہیں۔ اے مسلمانوں تم تہبند بھی باندھ لیا کرو۔ جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ جو لباس مسلمانوں اور عیسائیوں میں مشترک ہو جائے (جیسے حضور کے زمانہ میں شلوار لباس مشترک تھا۔ مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے درمیان اور جیسے اب ہمارے پاکستان میں کوٹ پتلون وغیرہ کی حالت ہے) اس کو حرام قرار دینا درست نہیں ہے۔ بلکہ حرام و ناجائز کا فتویٰ جڑنے کی بجائے یہ ہدایت کرنی چاہیے۔ وہ صرف پتلون پہنتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں! تم پتلون پہننا چاہتے ہو تو پہنو مگر کبھی کبھی شلوار، پاجامہ شیروانی بھی پہن لیا کرو، تا کہ نصاریٰ سے تشبہ کا ادنیٰ احتمال بھی باقی نہ رہے۔

مقصود عمر هثم علیٰ خشوشنة العیش و صلابتهم فی ذالک و محافظتهم علی طریقة العرب فی ذالک (نووی)

ترجمہ: یعنی حضرت عمر کی ہدایت کا مقصد عیش وآرام سے پرہیز اور طریقہ عرب (تمدن عرب) کی محافظت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ احادیث واثار یا کتب فقہ حنفی میں جن افعال واعمال یا لباس کو من صنع الاعاجم یا من لباس الکفار قرار دیا گیا ہے۔ انہیں مطلقاً ہر جگہ اور ہر مقام پر دلیل حرمت وکراہت بنانا شرعاً غلط اور مردود ہے۔ ہاں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ افعال واعمال یا لباس کفار ومشرکین کا مذہبی شعار تو نہیں ہیں۔ یا کتاب وسنت نے اسے مذموم تو نہیں قرار دیا ہے؟ یا وہ لباس شرعاً ممنوع چیز سے بنا ہوا تو نہیں ہے۔ جب ان امور کا ثبوت مل جائے گا تب کہیں جا کر اس فعل یا لباس کی کراہت کا قول کیا جائے گا۔

ننگے سر کھانا جائز ہے: الجواب: ننگے سر کھانا، تکیہ لگا کر کھانا جائز ہے۔ جو صاحب ناجائز وحرام کہتے ہیں وہ غلو وشدت کے مریض ہیں۔ علامہ شامی ردالمختار میں فرماتے ہیں لا باس بالاکل متکا او مکشوف الراس فی المختار۔ البتہ بیٹھ کر عاجزی کے ساتھ سر ڈھانپ کر کھانا بہتر افضل ہے۔ اس سلسلہ میں یہ یاد رکھیے اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ ہر کام میں سنت طریقہ کو اور اسلام نے جو آداب مقرر کیے ہیں ان کو اختیار کرنا باعث سعادت ہے۔ جیسے ہر مستحب وافضل اور بہتر فعل کو اپنانا فرض واجب نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ افعال واعمال جو جائز تو ہوں (مگر خلاف سنت ہوں) کو اختیار کرنا بھی فرض وواجب نہیں ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے یہ فعل جائز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہر جائز کام کو ضرور کیا جائے بلکہ مقصد اس فعل کی شرعی وآئینی حیثیت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ کسی مسلمان نے جائز کام کیا تو گناہگار نہ ہوگا۔ رہا معاملہ شیطان کے طریقہ کا تو اس کی بحث اسی کتاب کے کسی صفحہ پر آجائے گی اتلاش کر لیں۔

تکیہ لگا کر کھانا: علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کو تکیہ لگا کر کھانے کی ممانعت پر کوئی صریح حدیث نہیں ملی (۱)۔ اس لیے انھوں نے عنوان میں الاکل متکیا کے متعلق کوئی حکم بیان نہیں کیا۔ البتہ امام ترمذی نے اس فعل کی کراہت کا عنوان قائم فرمایا اور ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا۔ کہ امام ترمذی نے

کراہت کا عنوان قائم کیا۔ تو تکیہ لگا کر کھانا مکروہ ہے۔ یہ ہی جمہور کا قول ہے۔ پھر یہ (۲) امر بھی قابل ذکر ہے کہ اتکاء کے مفہوم و کیفیت میں بھی علماء کا اختلاف (۳) ہے۔ امام بیہقی (۴) نے فرمایا تکیہ لگا کر کھانا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ پادشاہان عجم کا طریقہ ہے۔ اور ابن ابی شیبہ (۵) نے سیدنا ابن عباس خالد بن ولید عبیدہ سلمانی، محمد بن سیرین، عطاو بن یسار و امام زہری سے تکیہ لگا کر کھانے کا مطلقاً جواز نقل کیا...... اس تشریح و تفصیل کے بعد امام بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں۔

وَ اذا ثبتَ کونه مکروها او خلاف الاولیٰ فا اطستحب فی صفته الجلوس لا کل ان یکون جاثیا علی رکبیته و ظهور قدمیه او ینصب الرجل الیمنیٰ و یجلس علی السیری۔

ترجمہ: جب یہ ثابت ہوا کہ یہ مکروہ یا خلاف اولیٰ ہے تو مستحب یہ ہے کہ دوزانو بیٹھ کر یا دہنا پاؤں کھڑا کرے اور پاؤں پر بیٹھ کر کھائے۔

کھڑے ہو کر کھانا پینا: اس باب کی حدیثیں متعارض ہیں۔ بعض صحیح و حسن حدیثوں سے جواز واضح ہے اور بعض سے ممانعت۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے بھی عنوان یوں قائم کیا ہے۔ باب الشرب قائما علامہ بطال کہتے ہیں کہ اس عنوان سے امام بخاری نے اس طرف اشارہ کیا ہے کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت والی حدیثیں (لم تصح عندہٗ) امام کے نزدیک درجہ صحت کو نہیں پہنچیں۔

ا۔ حدیث علی و ابن عباس جسے امام بخاری نے اور حدیث ابن عمر جسے امام ترمذی نے روایت کیا۔

قال کنا ناکل علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و نحن نمشی و نشرب و نحن قیام (ترمذی)

ترجمہ: ہم عہد نبوی میں کھاتے چلنے کی حالت میں اور پیتے تھے کھڑے ہو کر۔

۲۔ حدیث سعد بن ابی وقاص جسے ترمذی نے شمائل میں ذکر کیا۔

ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشرب قائما۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پانی نوش فرمایا۔

(۱) لم یجزم بحکمه انه لم یات فیه نهی صریح

۳۔حدیث عائشہ صدیقہ جس کونسائی نے ذکر کیا۔

قالت رائت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشرب قائماً و قاعداً۔

ترجمہ: میں نے حضور کودیکھا آپ نے کھڑے ہوکراور بیٹھ کر پیا۔

(یہ تمام حدیثیں حسن صحیح ہیں)

۴۔حدیث انس جس کوامام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قربة معلقه نشرب من فم القربة وھو قائمه۔

ترجمہ: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے ایک مشکیزہ ٹکا ہوا تھا آپ نے اس کے منہ سے کھڑے ہوکر پانی پیا۔

۵۔حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم نے کوفہ کی مسجد میں کھڑے ہوکر پانی پیا اور فرمایا کچھ لوگ کھڑے ہوکر پینے کو

ان ناسا یکرھون الشرب قائماً و ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل مثل ما صنعت (بخاری)

ترجمہ: مکروہ وہ سمجھے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام نے ایسا ہی کیا جیسے میں نے کیا۔

۶۔حضرت ام الفضل بنت الحارث نے بحضور نبوی دودھ کا پیالہ حاضر کیا۔حالانکہ حضور عرفات میں

وھو واقف عشية عرفة فاخذ بیدہ فشربه۔بخاری

ترجمہ: (کھڑے تھے) دوپہر کے بعد تو حضور نے اس حالت میں پانی نوش فرمایا۔

۷۔حضرت کبیشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر

قالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشرب من قربة معلقة قائما (ترمذی ابن ماجہ)

ترجمہ: جلوہ فرما ہوئے۔مشک لٹکی ہوئی تھی حضور ﷺ نے اس کے دہانے سے کھڑے ہوکر پانی پیا۔

۸. عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه نھیٰ ان یشرب الرجل قائما (مسلم)

(۲) ثم قال اختلف فی المراد با لاتکاء فی حاله الاکل .(۳)ان المتکی هو المائل احد شقیه ولیس کذالک بل المتکی هنا هو المعتمد علی الوطاء.(۴) وقال البیهقی یکره ایضا. لانه من فعلی المتعظمین (۵) قد اخرج ابن ابی شیبه. عن ابن عباس و خالد بن ولید و عبیدة السلمانی و محمد بن سیرین و عطاء بن یسار و الزهری جواز ذالک مطلقاً۔(عینی شرح بخاری)

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔

۹. عن ابی هریره قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا یشربن احد منکم قائما (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو کر ہرگز کوئی شخص پانی نہ پئے۔

احادیث نفی واثبات میں جمع کے متعلق شارحین نے متعدد قول نقل کیے ہیں۔ اہل الظاہر نے تحریم کا قول کیا۔ بعض نے احادیث ممانعت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ امام نووی نے کراہت پر جزم کیا لیکن روضہ میں حضرت امام یافعی کا اتباع کرتے ہوئے فرمایا ان الشرب قائما لیس بمکروہ۔ کھڑے ہو کر پینا مکروہ نہیں ہے۔ بہر حال تعارض ادلہ کی صورت میں حرمت کا قول کرنا درست نہیں اور اس عمل کو سنت نصاریٰ کہہ کر حرام قرار دینا اور بھی زیادہ نادرست ہے تمدن نصاریٰ سے شرعاً وہی ممنوع جو شرعاً مذموم ہو یا تشبہ کا قصد و نیت ہو۔ علامہ بدر عینی علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا احادیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ان النهی محمول علی التنزیه لا علی التحریمه و هو الذی صار الیه الائمة الجامعون بین الحدیث و الفقهه، کالخطابی و ابی محمد البغوی و ابی عبد الله المازری القاضی عیاض. و ابی العباس القرطبی و ابی ذکریا النووی رحمهم الله تعالیٰ. (عینی)

کہ حدیث میں نہی تنزیہی ہے اور یہ ہی رائے ہے آئمہ کرام کی جو جامع فقہ وحدیث ہیں جیسے خطابی، بغوی، عبد اللہ مازری، علامہ قاضی عیاض وابی العباس القرطبی اور ابی زکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اور نہی تحریمی نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

در نہی از آب ایستادہ خوردن آمدہ و فعل آنحضرت و صحابہ برخلاف آن ثابت شدہ

کھڑے ہو کر پانی پینے کے متعلق احادیث میں ممانعت آئی ہے لیکن حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کا کھڑے ہو کر پانی

درمواهب لدنیه. از حدیث جبیر بن مطعم آورده که دیدم ابا بکر صدیق را که منجورد آب را ایستاده.

پینا بھی ثابت ہے اور حدیث جبیر بن مطعم میں ہے کہ امیر المومنین صدیق اکبر نے کھڑے ہو کر پانی پیا۔

و امام مالک گفته کرچنیں رسیده است بما که عمرو علی و عثمان رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین می نوشیدند آب ایستاده (اشعة اللمعات)

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عمر و علی و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے۔

وعبد الحق که اعاظم علماء حدیث ست گفته که حدیث ابی هریره که ناطق است به نهی از شرب قائما ضعیف است. دور بعضے رواة دے سخن ست

وصواب آنست که تعارضی ور احادیث نیست و نهی از برائے تنزیهه است و فعل حضرت برای بیان جواز بود

عبد الحق جو اعاظم علماء سے ہیں فرماتے ہیں کہ حدیث ابو ہریرہ جس میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت آئی ہے ضعیف ہے اور اس کے راویوں میں کلام ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ احادیث میں تعارض نہیں ہے۔ نہی برائے تنزیہہ ہے او حضور کا فعل بیان جواز کے لیے ہے۔

وچون نهی، محمول برتنزیهه است اولی واجب باشد که نخورو و نیز در شرب قائما ضرر هائی بدنی است، وچون خلاف است درمیان سلف از صحابه وغیرهم احتیاط ناخوردن باشد و بی شک عادت شریف نشسته خوردن بود لیکن ایستاده خوردن حرام نبود کذفی المواهب اللدنیه (اشعة اللمعات)

اور چونکہ شرب بحالت قیام انہی تنزیہی ہے تو بہتر و افضل اور اچھا یہ ہے کہ کھڑے ہو کہ نہ پئے۔ نیز شرب بحالت قیام نقصان دہ بھی ہے اور چونکہ اس مسئلہ میں سلف صالحین میں زمانہ صحابہ سے اختلاف ہے۔ اس لیے احتیاط یہ ہے کہ کھڑے ہو کہ نہ پئے اور بے شک عادت کریمہ حضور کی بیٹھ کر پینے کی تھی۔ مگر کھڑے ہو کر پینا حرام نہیں ہے۔

گفتہ اند خوردن در حالت مشی ونوشیدن درحال قیام اصل جواز دار و مختار و اولیٰ آنست کہ خوردن ور مشی و کوب خلاف ادب است۔

کہا جاتا ہے کہ چلنے کی حالت میں کھانا اور بحالت قیام پینا فی نفسہ جائز ہے اور مختار اور بہتر یہ ہے چلنے اور سواری کی حالت میں کھانا خلاف ادب ہے۔

بے شک عادت شریفہ نشستہ آب خوردن بود وایستادہ خوردن آب احیانا بووا، اصل جواز باقی است (اشعة اللمعات)

بے شک حضور کی عادت شریفہ عموماً بیٹھ کر پینے کی تھی۔ اور کھڑے ہو کر پینا کبھی کبھار ظہور میں آیا۔ مگر بایں ہمہ اصل جواز باقی ہے۔

چھری چاقو سے گوشت وغیرہ کو کاٹ کر کھانا:

عن عائشہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقطعوا اللحم بالسکین فانہ من صنع الا عاجم و انھسوہ فانہ اھنا (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھری سے گوشت کاٹ کر نہ کھاؤ کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ دانتوں سے کھاؤ اس طرح کھانا لذیذ ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا۔ وقال و ھولیس بقوی اسناد ایں حدیث قوی نیست۔ و بعضے راویان اوخالی از ضعیفے نیستند (اشعة اللمعات)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے زیر حدیث مذکورہ تحریر فرمایا۔

عادت ایشاں است و تنزہ و تکبر (اشعة اللمعات)

معلوم ہوا اہل فارس کا چھری سے کھانا از راہ تکبر وغرور ہوتا تھا۔ تو اگر تکبر وغرور نہ ہو تو یہ فعل مباح قرار پاتا ہے۔ اور متعدد صحیح حدیثوں سے حضور کا چھری استعمال فرمانا جواز کی دلیل واضح ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

عن ابن عمر قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجنبة فی تبوک فدعا بالسکین فسمیٰ و قطع (ابوداؤد)

ترجمہ: بحضور نبوی غزوہ تبوک کے موقع پر پنیر پیش کیا گیا تو آپ نے چھری طلب فرمائی ۔اور بسم اللہ پڑھ کر پنیر کو کاٹا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

ثم اخذ الشفرہ فجعل یحزبھا منه۔(شمائل ومشکوہ)

بحضور نبوی بھنی ہوئی بکرے کی ران لائی گئی تو حضور نبی کریم چھری سے گوشت کاٹنے لگے۔

علامہ علی قاری نے لیس بالقوی کے ماتحت لکھا ہے:۔

اسناده او معناه المعارض بظاهر الحديث الصحيح (بالقوى) اى فيكون الحديث ضعيفا او وسطا بينهما فلايكون مقاوما لحديث الصحيحين لكن بالجمع السابق بينهما يرتفع الاشكال (مرقات)

ترجمہ: اس حدیث کی سند ۔یا معنی حدیث صحیح کے ظاہر کے خلاف ہے (بالقوی) تو یہ حدیث ضعیف ہے یا اس کے درمیان ۔لہذا یہ حدیث بخاری مسلم کی روایت کردہ حدیث کے مرتبہ کی نہیں ۔البتہ جو تطبیق ہم نے اوپر بیان کی ہے ۔اس سے یہ اشکال اٹھ سکتا ہے۔

تو پہلی بات یہ نوٹ کر لیجئے کہ چھری سے کھانے کی ممانعت والی حدیث کے راوی ضعف سے خالی نہیں نیز یہ حدیث، حدیث بخاری ومسلم (جس سے جواز واضح ہے) کے مرتبہ کی بھی نہیں ہے۔

صنع الاعاجم غیر عرب کو عجمی کہتے ہیں اور ظاہر ہے کو عجمیوں کے تمام معمولات کے حرام وممنوع ہونے پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ہے۔حضرت ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:۔

من صنع الاعاجم اى من داب اهل فارس المتكبرين الترفهين فالنهى عنه لان فيه تكبر او امر عبثا بخلاف ما اذا احتاج تطع اللحم الىٰ السكين لكونه غير نضيج تام فلا يعارض ما تقدم عن خبر الشيخين عن انه صلى الله عليه وسلم كان يحتز بالسكين او المراد بالنهى التنزيه و فعله لبيان الجواز (مرقات)

یعنی صنع الاعاجم کا مطلب ہے اہل فارس کا طریقہ جو کہ متکبر ہیں تو نہی بوجہ تکبر وعبث فعل کی بنا پر ہے ۔لیکن اگر ضرورت ہو تو جائز ہے اور دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے کہ خود حضور نے چھری سے کاٹ کر کھایا۔ بہر حال

حدیث ممانعت میں نہی تنز یہی مراد ہے۔اور حضور نے بیان جواز کے لیے چھری سے کاٹ کر کھایا۔

حضرت عمر بن امیہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔

رائی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم تحتز من کتف شاة. فی یده فدعی الی الصلوٰة فالقاها والسکین التی تحتز بها۔(بخاری)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے شانہ کو چھری سے کاٹتے ہوئے دیکھا جو آپ کے ہاتھ میں تھی، اتنے میں نماز کے لیے پکارا گیا تو آپ نے گوشت اور چھری کو رکھ دیا (یعنی نماز کے لیے تشریف لے گئے)۔

علامہ (۱) بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور علامہ ابن حزم نے فرمایا چھری سے گوشت کاٹ کر کھانا اور اسی طرح روٹی کو کاٹ کر کھانا مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی ممانعت پر کوئی صریح حدیث وارد نہیں ہوئی۔ حضرت (۲) علامہ عینی حنفی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث طبرانی و ابوداؤد (جس میں یہ ہے کہ حضور نے چھری سے کاٹ کر کھانے کو منع فرمایا یا یہ فرمایا کہ یہ طریقہ عجمیوں کا ہے) تو ان احادیث سے ممانعت واضح ہے۔ ان کا جواب کیا ہوگا؟ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں قابل استدلال نہیں کیونکہ ضعیف ہیں۔ حدیث (۳) طبرانی کا راوی عباد بن کثیر ثقفی ضعیف ہے۔

حدیث ابوداؤد کے متعلق امام نسائی نے فرمایا کہ ابومعشر کے لیے احادیث مناکیر ہیں۔ یہ حدیث بھی منکر ہے اور ابن عدی نے فرمایا کہ اس راوی کا کوئی متابع نہیں اور یہ ضعیف ہے اور ابومعشر کا نام نجیح ہے۔ (عینی)

نیز چھری سے گوشت کھانا بعض اوقات خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔

وقطع لحم بسکین احیانا از آنحضرت نیز ثابت شده چنانکه بیاید بس تطبیق آنست که لحم اگر نرم و نضیج باشد نهس باید کرود واگر نه چنیں بود جائز است قطع بسکین و در حقیقت ایں حدیث اشارت است بانکه خوردن بدنداں اطیب و والذست و نهی تنزیهی است ۔ اشعة اللمعات ج ۳ صفحه ۵۳۵

ترجمہ: چنانچہ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں:۔

اور چھری سے گوشت چھڑا کر کھانا کبھی حضور سے بھی ثابت ہوا تو دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ دی جائے۔ کہ اگر گوشت نرم ہو تو دانتوں سے چھڑا کر کھائے اور اگر سخت ہو تو چھری سے چھڑا کر کھایا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ اس

حدیث میں اشارہ ہے کہ دانتوں سے گوشت کھانا زیادہ اطیب اور لذیذ ہوتا ہے۔ اور نہی تنزیہی ہے۔

شارحین کرام کی ان تصریحات سے واضح ہوا حدیث ممانعت کا مفہوم صرف اس قدر ہے دانتوں سے کھانا بہتر و افضل ہے۔ مگر چھری سے کھانا بھی جائز و مباح ہے اور حدیث ممانعت میں نہی، نہی تنزیہیہ ہے۔ یہاں جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بڑا کیک، ڈبل روٹی، پنیر کا بڑا ٹکڑا، گوشت کا بڑا ٹکڑا یہ چیزیں ایسی ہیں۔ جنہیں کاٹ کر کھایا جاتا ہے۔ پوری ڈبل روٹی اور پنیر یا گوشت کا بڑا ٹکڑا منہ میں نہیں ڈالا جاتا۔ ایسے ہی بہت سے پھل ایسے ہیں جن کو بغیر کاٹے کھانا دشوار ہے۔ جیسے خربوزہ، تربوز، گرما وغیرہ تو حدیث ممانعت سے تو ان چیزوں کا بھی چھری سے کاٹ کر کھانا ممنوع و حرام قرار پائے گا۔ حالانکہ ان چیزوں کو چھری سے کاٹ کر کھانے کے متعلق فقہاء میں کراہت تنزیہی و عدم کراہت تنزیہی کلمہ بھی اختلاف نہیں ہے۔

فقہاء احناف کا فیصلہ: اب آخر میں فقہا احناف کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے۔ جو عالمگیری سے نقل کیے جاتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مقلدین کے لیے تو یہ تصریحات کافی ہیں۔ ہاں وہ غلو و شدت کے مریض جو رضوی کے حنفی ہونے کے اظہار پر نتھنے پھلاتے ہیں۔ اور در پردہ تقلید امام اعظم سے باغی ہیں۔ ان فقہی جزئیات سے ان کی تسلی ہونا مشکل ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

ولا باس بالاکل متکیا و مکشوف الراس فی المختار (بزازیہ صفحہ ۳۵۹ ج ۷ عالمگیری)

تکیہ لگا کر اور ننگے سر کھانا کھانے میں حرج نہیں (بزازیہ)

وسنن الطعام البسملہ فی اولہ و الحمد لہ فی آخرہ (عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۳۸)

کھانے کے اول بسم اللہ اور بعد میں الحمد للہ کہنا سنن طعام سے ہے۔

ولاباس بالاکل مکشوف الراس وھو المختار کذافی الخلاصہ (صفحہ ۳۳۸ ج ۵ عالمگیری)

ننگے سر کھانا کھانے میں حرج نہیں۔ یہ ہی مختار ہے۔ (عالمگیری)

(۱) فیہ جواز قطع اللحم بالسکین (۲) قال ابن حزم و قطع اللحم بالسکین لالکل حسن، ولا یکرہ ایضاً قطع الخبز بالسکین. اذلم یات نہی صریح من قطع النجز و غیرہ بالسکین (۳) قلت فی سند حدیث الطبرانی عباد بن کثیر الثقفی و ھو ضعیف و حدیث ابو دائود قال النسائی ابو معشر لہ احادیث فسا کیر ضھا ھذا وقال ابن عدی لا یتالع علیہ. وھو ضعیف و اسم بای معشر نجیمع (عینی شرح بخاری)

ولا باس بالاكل متكيا اذالم يكن يتكبر و فى الظهيرية هو المختار كذافى الجواهر الاخلاصى۔عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۳۸

جبکہ تکبر وغرور کی نیت نہ ہوتو تکیہ لگا کر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

ولاباس بالشرب قائما (عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۴۱)

کھڑے ہوکر پانی پینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاء الترجمانی یکره قطع الخبز بالسکین وقال ابو الفضل الکرمافی و ابو حامد لا یکره کذافی القنیه۔

علماء ترجمانی نے کہا، روٹی کو چھری سے کاٹ کر کھانا مکروہ ہے اور ابوالفضل کرمانی وابو حامد نے کہا مکروہ نہیں (عالمگیری)

وسئل عنها علی بن احمد فقال بینظر ان کان خبز مکة معجونا بالحلیب فلا یکسره و لا باس. و اما اذالم یکن کذالک فهو من اخلاق الاعاجم۔ (عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۴۱)

اور اسی مسئلہ کے متعلق علی بن احمد سے سوال ہوا تو انھوں نے فرمایا اگر مکہ کی روٹی ہے تو مکروہ نہیں حرج نہیں۔اور اگر ایسی نہیں تو یہ فعل اعاجم کے اخلاق سے ہے (اور جو چیز اخلاق اعاجم سے ہو وہ بھی مطلقاً حرام ومکروہ نہیں ہوتی)۔

بائیں ہاتھ سے کھانا شیطان کا طریقہ ہے: لا تاكلوا بالشمال فان الشيطان ياكل بالشمال۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ۔شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔(مسلم)

حدیث ہذا میں اس صراحت کے باوجود یہ فتوی دینا درست نہیں ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا حرام واشد حرام ہے کہ یہ فعل شیطان ہے۔ ہمارے بعض فقیہان عصر یہی ذہن رکھتے ہیں اور اس موقع پر رضوی پر تجدد پسندی کا الزام لگاتے ہوئے عوام میں یہ غلط فہمی پھیلاتے ہیں کہ دیکھو حدیث میں حضور نبی کریم علیہ السلام نے بائیں ہاتھ سے کھانے کو شیطان کو طریقہ قرار دیا ہے اور رضوی فیشن پرستی کے ہیضہ میں مبتلا ہو کر جائز (۱) قرار دیتا ہے۔

حالانکہ فیشن پرستی اور تجدد پسندی کا الزام لگانے والے فقیہان عصر بھی (دلائل شرعیہ کی روشنی) ان امور کے متعلق جن کی ممانعت احادیث میں صریح الفاظ سے وارد ہوتی ہے، کو جائز ومباح قرار دیتے ہیں۔قارئین کرام کی خدمت

میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ انصاف شرط ہے۔

نوٹ کیجیے: علماء اہلسنت کی تصانیف کے حوالوں سے مانعین پر حجت قائم کرنا مقصود ہے کہ ان علماء کو وہ بھی اپنا اکابر مانتے ہیں۔

ذکر جہر کی ممانعت: ذکر جہر کی ممانعت حدیث مشکوہ میں موجود ہے لیکن اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔

۱۔ فیہ اشارۃ الی ان اطنع من الجھر للتیسیر والافاق لا لکون الجھر غیر مشروع (لمعات)

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور کا ذکر جہر سے منع فرمانا محض آسانی کے لیے نہ اس لیے کہ ذکر جہر منع ہے۔

۲۔ اور اشعۃ اللمعات میں شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ:

دریں اشارت است کو منع از جهر برائے آسانی ونرمی است نه از جهت نامشروعیت ذکر جهر و حق آنست که ذکر جهر مشروع است بے شبه مگر بعارض و ایں رادر رساله اور اد اثبات نمودیم۔ (جاء الحق مصنفہ مفتی احمد یار خاں صاحبؒ)

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت، نرمی اور آسانی کے لیے ہے نہ اس لیے کہ بلند آواز سے ذکر منع ہے اور حق یہ ہے بلند آواز سے ذکر بلا شبہ مشروع (جائز) ہے۔ لیکن کسی وجہ سے ہم نے اس امر کا ثبوت اپنے رسالہ اوراو میں دیا ہے۔

پختہ مکان بنانے کی ممانعت: حدیث رسول سے ثابت ہے۔ چنانچہ جاء الحق مصنفہ مفتی احمد یار خاں صاحب مرحوم میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ بغور پڑھیے۔

---

(۱) علامہ بدر الدین عینی حنفی شارح بخاری تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ زین الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا:

والاکل بالیمین حمله اکثر اصحابنا علی الندب وبه صرح الغزالی و النووی (عینی)

سیدھے ہاتھ سے کھانے کو ہمارے اکثر اصحاب حنفیہ نے استحباب پر محمول کیا ہے اور امام غزالی وعلامہ نووی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

وزعم القرطبی ان الاکل بالیمین محمول علی الندب۔

اور امام قرطبی نے یہ گمان کیا کہ اکل بالیمین استحباب پر محمول ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳۔حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔ ان اللّٰہ لم یا مرنا ان نکسو الحجارۃ و الطین ۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں۔(مشکوٰہ) جواب: اس سے مکانوں کی دیواروں پر بلاضرورت تکلفاً پردے ڈالنا مراد ہے۔اور یہ بھی تقویٰ وزہد کا بیان ہے۔یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے۔جاء الحق صفحہ ۲۶۵

۴۔اسی طرح عمارات، لذیذ خوراک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائش سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا تھا۔لیکن یہ اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا ہے وہ مطلقاً حلال ہی ہے۔ قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی اخرجھا للناس. (جاء الحق صفحہ ۲۶۶)

غور فرمایئے! رضوی پر تجدد کا الزام لگانے والے موجودہ فقیہان عصر عیش وعشرت، لذیذ کھانے، سواریاں اور زیب وزینت تک کو جائز ومباح بلکہ قرآن حکیم کی آیت قل من حرم کے ماتحت داخل اسراف بھی نہیں مانتے۔اور جب رضوی سے مقابلہ پر آتے ہیں تو اعلان کرتے ہیں اسلام میں زیب وزینت کبھی پسندیدہ نہیں رہی۔یعنی حرام وممنوع ہے۔(رضائے مصطفیٰ)

مساجد کی آرائش کی ممانعت: مساجد کے در دیوار کو سونے چاندی وغیرہ سے آرائش کی ممانعت صحیح حدیثوں سے واضح وثابت بلکہ حضور علیہ السلام نے اس فعل کی قباحت کے متعلق یہاں تک فرمایا کہ تم یہود ونصاریٰ کی طرح مساجد کو آراستہ کروگے، لیکن اس ممانعت صریحہ کے باوجود رضوی کی تجدد پسند لکھنے والے فقیہان عصر اس فعل کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں۔

۵۔یونہی مساجد کی آرائش، ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش ونگار کہ صدر اول میں نہ تھے۔بلکہ حدیث میں تھا۔البتہ تم (مساجد کو) آراستہ کروگے جیسا کہ۔

لتزخرفنھا کما زخرفت الھود و النصاریٰ رواہ ابو داود عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ

(بقیہ) غور فرمایئے علامہ نووی شارح مسلم اور سیدنا امام غزالی، علامہ قرطبی وغیرہم ائمہ دین بھی وہی کچھ کہتے ہیں جو رضوی کہتا ہے پھر رضوی یہ نہیں کہتا کہ بائیں ہاتھ سے کھایا کرو۔رضوی بھی یہ مانتا تسلیم کرتا ہے کہ سیدھے ہاتھ سے کھانا بہتر وسنت رسول ہے لیکن وہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے بائیں ہاتھ سے کھالیا تو اس کو مرتکب کبیرہ فاسق معلن کہنا یا اس پر لعن طعن کرنا یا بائیں ہاتھ سے کھانے کو حرام قرار دینا شرعاً درست نہیں ہے کہ حدیث میں ممانعت تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔

عنہا (انوارالانوار صفحہ ۸)

آراستہ کیا یہود و نصاریٰ نے ، روایت کیا۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔

لیکن اب ظاہری تزک و احتشام ہی قلوب عامہ پر اثر تعظیم پیدا کرتا ہے۔ لہذا آئمہ دین نے حکم جواز دیا۔

مسجدوں کو منڈی بنانے ، اس میں کنگرے وغیرہ نہ رکھنے کا حکم صریح احادیث میں دیا گیا ہے لیکن رضوی کو فیشن پرست کہنے والے فقیہان عصر بھی اس حدیث ممانعت کو جواز و اباحت بلکہ مستحب کا درجہ دیتے ہیں۔ اور جوابات خود کہتے ہیں اگر رضوی کہے تو اس کے خلاف فتویٰ بازی کی مہم چلاتے ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی دہائی دیتے ہیں۔

ملاحظہ کیجئے۔

۶۔ یونہی مسجد و مسجدوں کے لیے کنگرے بنانا کہ مساجد کے امتیاز اور دور سے ان پر اطلاع کا سبب ہیں۔ اگرچہ صدر اول میں نہ تھے بلکہ حدیث میں ارشاد ہوا تھا ابنوا المساجد واتخذو ھا جمارا (ابن ابی شیبہ۔ بیہقی عن انس) دوسری حدیث میں ہے ابنوا مساجد کم جماوا بنوا مدائنکم مشرفہ دواہ فی المصنف عن ابن عباس۔ یعنی مسجدیں منڈی بناؤ ان میں کنگرے نہ رکھو مگر اب بلانکیر مسلمانوں میں رائج ہے۔ (انہار الانوار مصنفہ اعلیحضرت صفحہ ۹۰۸)

مزارات پر عمارات کی بنا: کے متعلق صریح طور پر احادیث میں مانعت آئی ہے لیکن رضوی کو ابوالخرافات کہنے والے فقیہان عصر بھی جواز و استحباب کے قائل ہیں۔

قبروں کو پختہ بنانے کی ممانعت: احادیث صریحہ سے ثابت ہے۔ لیکن رضوی پر تجدد کا الزام لگانے والے جو جواب دیتے ہیں وہ من وعن پیش خدمت ہے۔ ۷۔ مشکوۃ باب الدفن میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر گچ کرنے اور قبروں پر عمارت ان یحبصص القبور و ان بینی علیہ الخ۔ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

جواب: یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے۔ جیسے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے سے بھی روکا گیا بلکہ گرا دیے گئے۔ (جاء الحق صفحہ ۲۵۶)

قارئین کرام انصاف اور غور کیجئے۔ حضور علیہ السلام نے جس فعل کی منع فرمایا۔ اسے رضوی پر (تجدد پسندی کا الزام لگانے والے فقیہان عصر حکم شرعی بھی نہیں مانتے اور حضور کے منع کیے ہوئے کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب بتاتے

ہیں۔لیکن رضوی جب یہ کہتا ہے کہ وہ حدیث جس میں لڑکیوں کو لکھنا سکھانے کی ممانعت آئی ہے زیادہ سے زیادہ نہی تنزیہی ہے۔تو یہ فقیہان عصر محض رضوی سے بغض وحسد کی بنا پر آسمان سر پر اٹھالیتے ہیں حالانکہ امر کبھی اباحت کے لیے اور نہی کبھی ارشاد کے لیے بھی آتی ہے (لمعۃ الضحیٰ صفحہ ۱۲) اور معترضین بھی اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔لیکن اس کے باوجود رضوی پر اعتراض کرتے ہیں۔

مزارات اولیاء پر عمارات کی بنا کہ باوصف حدیث صحیح مسلم وابوداؤ دونسائی ومسند احمد عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقعد علی القبرو ان یقصص و ان یبنی علیہ جس میں صراحتاً اس کی ممانعت ارشاد ہوئی سلفاء وخلفاء آئمہ کرام علماء اعلام جائز رکھی (انہار الانوار صفحہ ۹) تو صاحبان جو فقیہان عصر رضوی کی تجدد پسند کہتے ہیں وہ خود بھی مذکورہ بالا احادیث میں جن امور کی ممانعت آئی ہے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہیں۔حتیٰ کہ وہ عالی مرۃ مردہ آف گوجرانوالہ جو رضوی کو دورنگا قرار دیتا اور پہلے اور اب کی نفیری بجاتا ہے وہ تو یہاں تک تسلیم کرتا اور اقرار کرتا ہے کہ وہ حدیثیں جن میں ذکر جہر، مساجد کی آرائش و مزارات اولیاء پر عمارت بنانے کی ممانعت آئی ہے۔اب اس زمانہ میں پیش کرنا جہالت وحماقت ہے یقین نہ آئے تو سنئے، انہار الانوار صفحہ ۱۰ پر ہے۔

بہت احکام ہیں کہ زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں یعنی ایسی جگہ احکام اسبقہ سے سند لانا حماقت ہے۔ان تمام افعال پر بھی احادیث واحکام سابقہ نہ پیش کرے گا مگر سفیہ فافہم،

تو قارئین کرام بات دراصل یہ ہے کہ احادیث رسول حق ہیں حضور کا ہر حکم وہدایت حق ہے لیکن حدیث رسول کی ہر ہدایت کا فرض وواجب یا سنت موکدہ ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ حدیث رسول میں جس چیز کی ممانعت آجائے اس کا حرام یا مکروہ تحریمہ ہونا لازمی نہیں بلکہ احکام قرآنیہ کی بھی یہ ہی کیفیت ہے کہ کہیں نہی تنزیہی ہے کہیں امر اباحت اور نہی اور کہیں ارشاد کے لیے بھی آئی ہے یہ باتیں تجدد پسندی کی نہیں ہیں بلکہ حقائق ہیں اور خود معترضین بھی ان تمام ضابطوں قاعدوں کے اقراری ہیں مگر چونکہ رضوی سے ان چند لوگوں کو حسد ہوگیا ہے اس لیے عوام میں غلط پروپیگنڈہ کرتے پھرتے ہیں......شعار اور تشبہ کے متعلق اب تک ہم نے جو معروضات پیش کی ہیں۔گو کہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں وہ ثابت وحق ہیں۔تاہم اس سلسلہ میں اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک فتویٰ ہادی الناس صفحہ ۲۸ سے پیش خدمت ہے۔جس سے قارئین کرام یہ اندازہ کرسکیں گے کہ جو کچھ رضوی نے عرض کیا ہے وہی اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ملاحظہ کیجئے اور انصاف فرمایئے۔

پھولوں کا سہرا: جیسا سوال میں مذکور رسوم دینویہ سے ایک رسم ہے۔ جس کی ممانعت شرح مطہر سے نجابت نہیں۔ نہ شرع میں اس کے کرنے کا قاعدہ کلیہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں۔ وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری۔ اور جس سے سکوت فرمائیں۔ یعنی شرع سے نہ اس کی خوبی نکلے۔ نہ برائی۔ وہ اباحت اصلیہ پر رہتی ہے کہ اس کے فعل و ترک میں ثواب نہ عقاب۔ یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر جگہ کام آئے گا۔ آج کل مخالفین اہلسنت نے یہ روش اختیار کرلی ہے کہ جس چیز کو چاہا۔ شرک۔ حرام۔ بدعت۔ ضلالت کہنا شروع کردیا۔ اگرچہ وہ فعل صحابہ کرام یا تابعین عظام یا ائمہ اعلام سے ثابت ہو۔ اگرچہ وہ فعل اس نیک بات کے عموم و اطلاق میں داخل ہو۔ جس کی خوبیاں صریح قرآن مجید و حدیث شریف میں مذکور ہیں۔ پھر سہرے وغیرہ رسمی باتوں کی تو کیا حقیقت ہے۔ اور اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اہلسنت سے پوچھتے ہیں تم جو ان چیزوں کو جائز بتاتے ہو، قرآن و حدیث میں کہاں جائز لکھا ہے۔ حالانکہ ان کو اپنی خوش فہمی سے اتنی خبر نہیں کہ جائز کہنے والا دلیل خاص کا محتاج نہیں جو ناجائز کہے وہ قرآن و حدیث میں دکھائے کہ ان افعال کو کہاں جائز لکھا ہے کیا اہلسنت پر لازم ہے کہ وہ جس جس چیز کو جائز و مباح بتائیں۔ اس کی خاص صورت کا حکم صریح قرآن مجید و احادیث شریف میں دکھائیں اور تم پر کچھ ضرور نہیں کہ جس چیز کو حرام بدعت گمراہی کہو۔ خاص اس کی نسبت ان حکموں کی تصریح کتاب و سنت میں دکھا دو۔ ان امور کی قدرے تفصیل مسئلہ قیام میں فقیر نے ذکر کی۔ اور تحقیق کامل تصانیف علمائے اہلسنت میں ہے۔ **شکر اللّٰہ تعالیٰ مساعیھم الجمیلۃ** ۔ جب یہ قاعدہ شرعیہ معلوم ہولیا تو سہرے کا حکم خود ہی کھل گیا۔

اب جو ناجائز۔ حرام۔ بدعت۔ ضلالت بتائے۔ وہ خود قرآن مجید و حدیث شریف سے ثابت کر دکھائے۔ ورنہ جان برادر شرع تمھاری زبان کا نام نہیں کہ جسے چاہو، بے دلیل حرام و ممنوع کہہ دو۔ اور سفہائے مخالفین جو اس قسم کے مسائل میں حدیث **من احدث فی امرنا ھذا** وغیرہ پیش کرتے ہیں محض بے محل و اغوائے جہال کہ اس قدر تو طائفہ اسمٰعیلیہ کو بھی مسلم کہ بدعت، ضلالت وہی ہے جو بات دین میں نئی پیدا ہو اور دینوی رسوم و عادات پر حکم بدعت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً انگرکھا پہننا، پلاؤ کھانا، یا دولھا کو جامہ پنانا، دولھن کو پالکی میں بٹھانا۔ اسی طرح سہرا کہ اسے بھی کوئی دینی بات سمجھ کر نہیں کرتا۔ نہ بغرض ثواب کیا جاتا ہے بلکہ سب ایک رسم ہی جان کر کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی جاہل اجہل ایسا ہو کہ اسے دینی بات جانے تو اس کی اس بیہودہ سمجھ پر اعتراض صحیح ہے۔ اسی طرح سہرے کے باب میں حدیث من

تشبہ بقوم فھو منھم پیش کرنا اور یہ کہنا کہ ہندو بھی سہرا باندھتے ہیں، تو ان سے مشابہت نکلے گی۔ محض غلط کہ حدیث میں لفظ تشبہ مذکور ہے۔ اور اس کے معنی اپنے آپ کو کسی کے مشابہ بنانا تو حقیقۃً یا حکماً قصد مشابہت پایا جانا ضرور ہے۔ مثلاً ایک شخص کوئی فعل خاص اس نیت سے کرے کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو۔ اگر چہ وہ یہ ارادہ نہ کرے۔ مگر وہ فعل شعار کفار اور ان کی علامت خاصہ ہو جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں۔ جیسے سر پر چوٹیاں، ماتھے پر ٹیکا، گلے میں جنیوا۔ الٹے پردے کا انگرکھا وعلیٰ ھذا القیاس ۔ تو بے شک ان صورتوں میں ذم ووعید وارد۔ اور حدیث من تشبہ اس پر صادق۔ نہ یہ کہ مطلقاً کسی بات میں اشتراک موجب ممانعت ہو۔ یوں تو انگرکھا ہم بھی پہنتے ہیں، ہندو بھی پہنتے ہیں۔ پھر کیا اس وجہ سے انگرکھا پہننا ہم پر حرام ہو جائے گا۔ اور اگر پردے کا فرق کفایت کرے تو کیا نلکیوں اور پنی کا نہ ہونا اور اس سہرے کی صورت ان کے سہرے سے جدا ہونا کافی نہ ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ بر بنائے تشبہ کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا قصد مشابہت ہو۔ یا وہ فعل اہل باطل کا شعار و علامت خاصہ ہو۔ جس کے سبب سے وہ پہچانے جاتے ہوں۔ یا اگر خود اس فعل کی مذمت شرع مطہر سے ثابت ہو تو برا کہا جائے گا۔ ورنہ ہرگز نہیں۔ اور سہرا ان سب باتوں سے پاک ہے۔

یہ قاعدہ بھی ضرور یاد رکھنے کا ہے جس سے مخالفین کے اکثر اوہام کا علاج ہوتا ہے۔ در مختار میں بحر الرائق سے منقول التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیءِ بل فی المدموم و فیما یقصد بہ التشبہ اہل کتاب سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں۔ بلکہ بری بات میں۔ اور وہاں کہ ان سے مشابہت کا قصد کیا جائے۔ مولانا علی قاری شرح فقہ اکبر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرماتے ہیں۔

انا ممنوعون عن التشبہ بالکفرۃ و اھل البدعۃ فی شعار ھم لا منھیون عن کل بدعۃ ولو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ او من افعال الکفرۃ و اھل البدعۃ فالمدار علی الشعار ۔ ہم کو یہ منع ہے کہ کفار و اہل بدعت کے شعار میں تشبہ کریں۔ نہ یہ کہ ہر بدعت منع ہو۔ اگر چہ مباح ہو۔ اب چاہے وہ اہلسنت کے افعال سے ہو، یا کفار و متبدعین کے فعلوں سے تو مدار کار شعار پر ہے۔

جواز کے لیے یہ ہے کافی: کہ شرعاً ممانعت نہیں۔ جس چیز کو اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرمائیں اسے منع کرنا خود شارع بننا اور نئی شریعت گڑھنا ہے۔ (فتاویٰ)

جواز کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ خدا اور سول نے منع نہ فرمایا کسی چیز کی ممانعت قرآن وحدیث میں نہ ہو تو اسے منع کرنے والا حاکم وشارع بننا چاہتا ہے (فتاوئ افریقہ صفحہ ۹۷) یہ قاعدہ نفیسہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ قرآن وحدیث سے جس چیز کی بھلائی یا برائی ثابت ہو وہ بھلی یا بری ہے اور جس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہو وہ معاف ومباح وروا۔

اور اس کو حرام وگناہ: اور نادرست کہنا شریعت مطہرہ پر افترا ہے (فتاوئ رضویہ ج ۳ صفحہ ۵۲۸)

شریعت مطہرہ میں طہارت وحلت اصل ہیں۔ کہ ان کا ثبوت خود حاصل ہے کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ اور حرمت ونجاست عارضی کہ ان کے ثبوت کا دلیل خاص درکار اور محض شکوک وظنون سے ان کا ثبوت ناممکن (فتاوئ رضویہ جلد دوم صفحہ ۹۷)

جب کسی کو کسی شی پر منع وانکار: جب کسی چیز کو کسی شی پر منع وانکار کرتے اور اسے حرام یا مکروہ یا ناجائز کہتے سنو، جان لو بار ثبوت اس کے ذمہ ہے جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کردے اس کا دعوی اسی پر مردود اور جائز ومباح کہنے والا بالکل سبکدوش (فتاوی رضویہ ج ۲ صفحہ ۹۸)

احتیاط اس میں نہیں: احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ، وثبوت کامل کسی شیکو حرام ومکروہ کہہ کر شریعت مطہر پر افتراء کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجت مبین خود مبین (ج ۲ صفحہ ۹۹ فتاوی رضویہ مصنف اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ)

مجرد ظنون واوہام: مجرد ظنون واوہام کی بندی محض تشدد وناواقفی نہ بے تحقیق کسی شی حرام وممنوع کہہ دینے میں کچھ احتیاط بلکہ احتیاط اباحت ہی ماننے میں ہے۔ جب تک دلیل خلاف واضح نہ ہو (ج ۲ صفحہ ۱۳۹) فتاوی رضویہ مصنف اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ)

جو شخص کسی بات کا مدعی ہو: جو شخص کسی بات کا مدعی اس کا بار ثبوت اس کے ذمہ ہوتا ہے۔ آپ اپنے دعوی کا ثبوت نہ دے اور دوسروں سے الٹا ثبوت مانگتا پھرے وہ پاگل ومجنون کہلاتا ہے یا مکار و پرفتون و مدا ظاہر جد (الصارم الربانی صفحہ ۱۱) مستحب ومباح کے ترک میں کچھ گناہ نہیں۔ نہ ان کے تارک کی امامت میں کچھ نقص (فتاوی رضویہ ج ۳ صفحہ ۲۷۹) اور ترک مستحب مستلزم کراہت تنزیہی بھی نہیں کراہت تحریم کو بڑی چیز ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۳

صفحہ ۱۶) فتاوی رضویہ مصنفہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ)

کراہت تنزیہی کا حاصل صرف اس قدر: کراہت تنزیہی کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولی ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو مستحب بات کیجیے تو بہتر۔ نہ کیجیے تو گناہ نہیں۔ مکروہ تنزیہی نہ کیجیے تو بہتر کیجیے تو گناہ نہیں۔ (احکام شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۷۵)

بعض اہم سوالات کے جوابات

کچھ سوالات فقہی اصطلاحوں۔ تفسیر۔ نزول قرآن۔ فقہ۔ نبی و رسول کی تعریف۔ طلاق نکاح کم سنی کا نکاح اور عائلی قوانین کے متعلق تھے۔ بنظر اختصار سوال حذف کر دیئے گئے اور جوابات درج ہیں بلکہ بعض مسائل پر سیر حاصل تبصرہ بھی ہے۔ مولف

شرائط مترجم: قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر کرنے والے کے لیے کم از کم ان اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے۔

(۱) عربی زبان (جس میں قرآن نازل ہوا) سے اور اس کے قواعد (صرف، نحو، بلاغت و لغت) سے بخوبی واقف ہو۔

(۲) قواعد شریعت و اصول دین اور اصطلاحات شرعیہ سے واقف ہو۔

(۳) علم قرآت سے واقف ہو...... کیونکہ بعض اوقات ایک قرآت دوسری قرآت کے لیے تفسیر ہوتی ہے۔

۴۔ اسباب نزول سے واقف ہو کہ آیت کس بارہ میں اور کس موقع پر نازل ہوئی کیونکہ مقوع و محل کے معلوم ہونے سے مراد واضح ہوتی ہے۔

۵۔ احادیث نبویہ و اقوال صحابہ سے واقف ہو کیونکہ آیت شان نزول اور موقع و محل احادیث نبویہ و اقوال صحابہ ہی سے واضح ہوتا ہے۔

۶۔ ناسخ و منسوخ سے واضح ہو...... ظاہر ہے کہ جو شخص ان شرائط کا حامل نہ ہوگا قرآن مجید کی تفسیر و ترجمانی صرف دینی رائے سے کرے گا۔ اور ایسا کرنا حرام و ناجائز اور گمراہی و بے دینی ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا۔ جس نے اپنی رائے سے تفسیر کی اس نے خطا کی۔ ترمذی۔

علمی تفسیر: علم تفسیر وہ علم ہے جس میں احوال قرآن سے بحث کی جاتی ہے۔اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ تفسیر اور تاویل۔ تفسیر کے لیے بہر حال نقل کی ضرورت ہے۔ تفسیر فسر سے مشتق ہے۔اس کے معنی کشف کے ہیں۔یعنی پوشیدہ چیز کا ظاہر کرنا تفسیر کا موضع قرآن ہے۔غرض معرفت احکام الٰہیہ، دلیل، کتاب، سنت اور لفظ عرب استمد اد اصول دین (ذات وصفات الٰہی) فقہ (حلال وحرام کے مسائل)

تاویل......اول سے مشتق ہے۔اس کے معنی لغتہ رجوع کرنے کے ہیں۔اور اصطلاح میں تاویل کے معنی یہ ہیں کہ کسی کلام میں چند احتمال ہوں۔ان میں سے کسی احتمال کو قرینوں اور علمی دلائل سے ترجیح دینا یا از روئے قواعد حرف داؤ نکات پیدا کرنا۔اس کے لیے نقل کی ضرورت نہیں ہے۔اسی لیے بعض مفسرین نے کہا۔

تفسیر نقل مسموع پر موقوف ہوتی ہے اور تاویل فہم پر صحیح ہے (ترجیح احد المحتملات بدون القطع)

۲۔ تفسیرا الصحابی مطلقا فی حکم المرفوع (جمل) صحابی کو تفسیر مطلقا مرفوع کے حکم میں ہے یعنی وہ حضور ہی کی طرف سے مانی جائے گی۔

مراتب تفسیر:

(۱) تفسیر قرآن بالقرآن۔یہ سب سے مقدم ہے۔

۲۔ تفسیر قرآن بالحدیث۔

۳۔ تفسیر قرآن، باقوال صحابہ خصوصاً فقہاء صحابہ وخلفاء راشدین۔

۴۔ تفسیر قرآن تابعین وتبع تابعین کے اقوال سے۔

تحریف: تحریف مشتق ہے حرف سے۔حرف کے معنی علیحدگی، کنارہ کشی کے ہیں۔تحریف یہ ہے کہ کلام کا مطلب ومعنی ایسا بیان کیا جائے جو کلام کرنے والے کی مراد کے لاف ہو۔تحریف لفظی الفاظ میں تبدیل کر دینا۔

تحریف معنوی: تحریف معنوی قرآن کے ایسے معنی بیان کرنا جو اجماع امت یا اجماع مفسرین یا تفسیر قرآن کے خلاف ہوں۔

القرآن العظیم: لفظ قرآن یو تو قرء" سے بنا ہے۔ قرء" کے معنی جمع ہونے کے ہیں۔اب قرآن کو

قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اولین وآخرین کے علموں کا مجموعہ ہے۔ حضرت سفیان بن عینیہ کا قول ہے کہ قرآن کا نام اس لیے قرآن ہے کہ حروف جمع کیے گئے تو کلمات بن گئے۔اور کلمات جمع کیے گئے تو آئتیں بن گئیں اور سورتیں جمع کی گئیں تو قرآن بن گیا۔ پھر اس میں اولیں اور آخرین کے علموں کا مجموعہ ہے۔ حضرت سفیان بن عینیہ کا قول ہے کہ قرآن کا نام اس لیے قرآن ہے کہ حروف جمع کیے گئے تو کلمات بن گئے۔اور کلمات جمع کیے گئے تو آیتیں بن گئیں اور سورتیں جمع کی گئیں تو قرآن بن گیا۔ پھر اس میں اولیں وآخرین کے علام جمع کردیئے گئے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ۔

۲۔اور اگر یہ قرأت سے بنا ہے۔تو اس کے معنی میں پڑھی ہوئی چیز تو اب قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین کو کتابیں یا صحیفے لکھے ہوئے عطا ہوئے۔لیکن قرآن پڑھا ہوا اترا۔ سیدنا ابن عباس کا یہ قول ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ فاذا قرانٰہ فاتبع قرانہ ای تلاوتہ۔یعنی جب ہم آپ پر قرآن تلاوت کریں تو آپ اس تلاوت کی اتباع کریں۔

۳۔اور اگر یہ قرن سے بنا ہے تو قرن کے معنی ملنے اور ساتھ رہنے کے ہیں۔اب اس کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ حق وہدایت اس کے ساتھ ہے۔

آیات قرآن دو قسم پر ہیں (۱) محکمات: جو کہ اصل کتاب ہیں اور ان کے مطالب واضح ہیں۔اکثر آیات محکمات چھ قسم کے مطالب پر مشتمل ہیں۔امر، نہی، تبشیر، انداز، قصص، امثال۔

(۲) متشابہات۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام کے درمیان اسرار و رموز ہیں۔ان کے مرادی معنی کو قطعی طور پر جاننے کی کوشش وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے۔البتہ یہ دوسری ہے کہ اللہ عزوجل اپنے فضل وکرم سے آیات متشابہات کے علوم سے جس قدر مصلحت وحکمت کے مطابق چاہے مطلع فرمادے۔

نزول قرآن: (۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید لوح محفوظ سے جملتہ واحدہ سماء دنیا پر ماہ رمضان لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔

(۲) اس کے بعد بزبان جبریل۔تھوڑا تھوڑا حسب مصلحت مدت رسالت میں حضور پر نازل ہوتا رہا۔(جمل ج اصفحہ ۳)

ترتیب نزول:(۱) مصلحت اور تلاوت میں جو ترتیب ہے وہ نزول کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔ مثلاً ترتیب نزول یہ ہے کہ سب سے پہلے مکہ میں سورہ اقراء نازل ہوئی۔ پھر نون والقلم۔ پھر سورہ مزمل پھر مدثر۔ پھر تبت یدی پھر شمس نازل ہوئی...... لیکن ترتیب سورہ وآیات وغیرہ توفیقی ہیں۔ جب ایک سورۃ مکمل نازل ہو جاتی یا ایک آیت نازل ہو جاتی تو جبرئیل امین۔

عرض کرتے۔ اجعل هذه السورة عقب سورة كذا (جمل جلد اصفحہ ۳)

نوٹ۔قرآن مجید کی موجودہ ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے۔

مدنی و مکی: مدنی آیات وہ ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ اگر چہ مکہ یا عرفہ میں نازل ہوئی ہوں۔ مکی وہ ہیں جو قبل ہجرت نازل ہوئیں۔ اگر چہ غیر مکہ میں اس کا نزول ہوا ہو۔ (جمل ج اصفحہ ۸)

نسخ: لغت میں مٹانے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرح میں نسخ کے معنی یہ ہیں کہ ایسے حکم شرعی کی انتہا بطریقہ تراخی بیان کرنا جس کا استمرار عباد مکلفین کے حق میں تبدیل حکم اور صاحب شرع کے حق میں بیان محض ہوتا ہے۔ (تفسیر مدارک وغیرہ)

آیات منسوخہ: آیات منسوخہ تین قسم ہیں۔(۱) منسوخ التلاوة والحكم. جیسے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے۔ قالت كان في ما نزل عشر و ضعات معلومات يحرمن فنسخت نجمس معلومات يحرمن الحديث۔

۲. منسوخ الحكم دون التلاوة جیسے والذين عاقدت ايمانكم فاتو هم نصيبهم منسوخ هے واولوالا رحام بعضهم اولىٰ ببعض فى كتاب الله۔

۳۔منسوخ التلاوة دون الحكم ۔جیسا آنت رجم بروایت ابن عباس قال لقد خطبنا عمر بن الخطاب قال كذانقراء الشيخ و الشيخة اذا زينا فازجسمو هما البتة الخ۔

نسخ باعتبار ناسخ چار قسم ہے۔

(۱) نسخ الكتاب بالكتاب (۲) نسخ السنة بالسنة (۳) نسخ السنة بالكتاب (۴) نسخ

الکتاب بالسنة۔اس چوتھی قسم میں علماء کا اختلاف ہے۔حنفیہ کے نزدیک جائز بشرائط ہے۔

وحی: وحی دو قسم ہے۔متلو اور غیر متلو۔وحی متلو قرآن مجید ہے۔اور وحی غیر متلو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث شریف کے وحی ہونے کی دلیلیں فیوض الباری کے مقدمہ میں گذر چکی ہیں۔

مفسرین کرام نے وحی کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ایک یہ کہ فرشتے کی آواز گھنٹی کی آواز کی طرح سنی جاتی تھی۔

۲۔دوسری قسم یہ ہے کہ فرشتہ آپ کے سامنے وحی الہی کے الفاظ پڑھ دیتا تھا۔جس کو آپ محفوظ فرما لیتے تھے۔

۳۔تیسری قسم یہ ہے کہ فرشتہ بصورت انسان آپ کے قلب مبارک میں پھونک دیتا تھا جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ان روح القدس نفث فی روعی۔یہ قسم پہلی دونوں قسموں کو شامل ہے۔

۴۔چوتھی قسم منامی ہے۔جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتے نے خواب میں وحی پہنچائی۔یہ قسم بظاہر غیر متلو ہے اگرچہ بعض مفسرین نے سورہ کوثر کو اسی قسم سے کہا ہے۔

۵۔پانچویں قسم کلامی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام ہوا۔یہ قسم بیداری اور خواب دونوں کو شامل ہے۔
بیداری کی مثال شب معراج کا کلام اور خواب کی مثال حدیث معاذ قال اتانی ربی فقال فیھم یختصم الملاء الاعلیٰ...... یہ قسم بھی بظاہر وحی غیر متلو معلوم ہوتی ہے۔علما نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اس قسم سے کچھ نہیں۔لیکن خواتیم سورۃ بقر امن الرسول سے آخر تک کا شب معراج میں ملنا احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور سورۃ والضحیٰ اور سورۃ الم نشرح کی بعض آیات کلام منامی سے سمجھی جاتی ہیں۔(تفسیر اتقان)

نبی و رسول کی تعریف:

نبی وہ بشر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو۔خواہ فرشتہ کی معرفت ہو یا بلاواسطہ مگر نبی ہونے کے لیے وحی ہونا ضروری ہے۔رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ تبلیغ احکام کے واسطے مبعوث فرمائے اور اس پر کتاب نازل ہوئی ہو یا جدید شریعت رکھتا ہو۔پس رسول اور نبی میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوئی رسول خاص ہے اور نبی عام یعنی ہر رسول نبی ہے۔مگر ہر نبی رسول نہیں (۲) لیکن یہ واضح رہے کہ نبی و رسول میں جو فرق تعریفوں سے پیدا ہوتا ہے وہ محض اعتباری ہے حقیقت میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی دونوں ہی اللہ عزوجل کی طرف سے

مخلوق خدا کی ہدایت اور تبلیغ احکام کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ دونوں ہی ہادی مطاع امر ناہی اور امت کے لیے روشنی کا مینار ہوتے ہیں۔

۶۔ مجتہد و محدث میں فرق: مجتہد و محدث میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہر مجتہد محدث ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر محدث مجتہد بھی ہو۔ محدث کی مثال عطار کی سی ہے جس کے دواخانہ میں ہر مرض کی دوا موجود ہے اور مجتہد کا مقام حکیم حاذق کا ہے جو ان ادویہ کا علم بھی رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے افعال و خواص اور ان کے طریق استعمال پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

امام ابن حجر مکی شافعی کتاب الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں کہ امام المحدثین سلیمان اعمش جو جلیل القدر تابعی اور شاگردان حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں۔ ان سے کسی نے کچھ سوال پوچھے۔ اس وقت سیدنا امام اعظم مجتہد مطلق علیہ الرحمۃ بھی تشریف فرما تھے۔ امام اعمش نے وہی مسائل امام اعظم کے سامنے رکھ دیئے اور فرمایا آپ جوبات دیجئے۔ امام نے فوراً جواب دے دیے۔

امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کئے؟

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے ہی سنی ہیں۔

اور امام نے حدیثیں مع سند کے بیان کر دیں۔

امام اعمش نے فرمایا...... بس کیجئے! جو حدیثیں کہ میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں۔ آپ ایک گھڑی بھر میں مجھے سنائے دیتے ہیں مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں۔ اے فقہ والو تم طبیب ہو۔ اور ہم محدث لوگ عطار ہیں۔ یعنی دوائیں ہمارے پاس ہیں مگر ان کا طریق استعمال تم مجتہدین جانتے ہو۔

وانتم ایها الرجل اخذت بکلا الطرفین۔

اور اے ابو حنیفہ! تم نے تو فقہ و حدیث دونوں کنارے لیے (یعنی مجتہد بھی ہو اور محدث بھی ہو)

۷۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا ارشاد: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ اجتہاد اور فقہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وبعد المائتین ظهر بینهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم و قل من کان لا یعتمد علی

مذهب مجتهد بعينه مر كان هوا لواجب في ذالك الزمان۔

یعنی دوصدی کے بعد خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا اہل اسلام میں رواج پا گیا ہم کوئی تھا۔ جو ایک معین امام کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو۔ اور اس وقت یہی واجب ہوا۔ (انصاف)

پھر اسی کتاب ''انصاف'' میں تحریر کرتے ہیں۔

وبا الجمله فالتمذهب للمجتهدين سو الهمه الله تعالىٰ للعلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون اولا يشعرون۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک مذہب کا اختیار کر لینا ایک ایسا راز ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں القا کیا اور انہیں اس پر جمع کر دیا چاہے اس راز کو سمجھ کر اس پر متفق ہوئے ہوں یا بے جانے۔

۸۔ امام شعرانی وامام غزالی کا ارشاد: حضرت امام شعرانی میزان میں فرماتے ہیں کہ امام الحرمین وابن السمعانی وامام غزالی وہراسی وغیرہم نے اپنے شاگردوں سے فرمایا۔

يحب عليكم التقليد بمذهب امامكم ولا عذرلكم عند الله تعالىٰ نى العدول عنه۔

تم پر واجب ہے خاص اپنے امام کے مذہب کا پابند رہنا مگر ان کے مذہب سے عدول کیا تو خدا کے یہاں تمھارے لیے کوئی عذر نہیں۔

چند فقہی اصطلحات: (۱) فرض اعتقادی۔ جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ اس کا انکار کرنے والا ائمہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً کافر ہے اور فرض اعتقادی کو بلا عذر صحیح قصداً ایک بار بھی چھوڑ دینا گناہ کبیرہ ہے۔ دلیل قطعی سے مراد قرآن اور حدیث متواتر ہے۔

(۲) فرض عملی: وہ ہے۔ جس کا ثبوت ایسا قطعی تو نہ ہو۔ مگر مجتہد کی نظر میں دلائل شرعیہ سے اس کو یقین ہو گیا ہو کہ بے اس کے کئے آدمی بری الذمہ نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر وہ کسی عبادت میں فرض ہے تو وہ عبادت بے اس کے کئے باطل ہو گی۔ اس کا بے وجہ انکار فسق وگمراہی ہے۔

(۳) واجب اعتقادی: وہ ہے کہ دلیل ظنی سے اس کی ضرورت ثابت ہو۔ فرض عملی وواجب عملی اسی کی دو

قسمیں ہیں اور وہ انہیں دو میں منحصر ہے۔

(۴) واجب عملی: وہ واجب اعتقادی کہ بے اس کے کیے بھی بری الذمہ ہونے کا احتمال ہو۔ مگر غالب ظن اس کی ضرورت پر ہے۔ اگر کسی عبادت میں اس کا بجالانا درکار ہو۔ تو عبادت اس کے بغیر ناقص ہوگی۔ مگر ادا ہو جائے گی کسی واجب کا ایک بار بھی چھوڑنا گناہ صغیرہ ہے اور چند بار ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۵) سنت موکدہ: وہ جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو۔ البتہ بیان جواز کے لیے کبھی ترک بھی فرمایا ہو یا اس کی تعریف یوں کیجیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے کرنے کی تاکید فرمائی ہو۔ مگر جانب ترک بالکل مسدود نہیں فرمائی۔ اس کا ترک اسات ہے اور کرنا ثواب اور نادراً ترک پر عتاب اور ترک کی عادت بنا لینے پر عذاب۔

(۶) سنت غیر موکدہ: سنت غیر موکدہ وہ ہے۔ جو شریعت میں ایسی مطلوب ہو کہ اس کے ترک کو ناپسندیدہ رکھا گیا ہو۔ مگر اس پر وعید عذاب نہ ہو۔ عام اس سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہو یا نہیں۔ اس کا کرنا ثواب ہے اور نہ کرنا اگرچہ عادتاً ہو تو موجب عتاب نہیں۔

(۷) مستحب: مستحب وہ فعل جو شریعت میں پسند کیا گیا ہو۔ خواہ حضور اکرم نے اسے کیا یا اس کی ترغیب دی یا علماء نے پسند کیا۔ اگرچہ احادیث میں اس کا ذکر نہ ہو۔ اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنے پر مطلقاً کچھ نہیں۔

(۸) مباح:۔ وہ ہے جس کا کرنا یا نہ کرنا یکساں ہو۔

(۹) حرام قطعی:۔ یہ فرض کا مقابل ہے یعنی جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ اس کا ایک بار بھی قصداً کرنا گناہ کبیرہ و فسق ہے اور حرام سے بچنا فرض اور ثواب ہے۔

(۱۰) مکروہ تحریمی:۔ یہ واجب کا مقابلہ ہے یعنی وہ کام جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو۔ اس کے کرنے سے عبادت ناقص ہو جاتی ہے۔ اور کرنے والا گنہگار ہے چند بار اس کا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۱۱) اساعت۔ جس کا کرنا برا ہو اور نادراً کرنے والا مستحق عتاب اور التزام فعل پر استحقاق عذاب یہ سنت موکدہ کے مقابل ہے۔

(۱۲) مکروہ تنزیہی :۔ جس کا کرنا شرع کو پسند نہیں مگر نہ اس حد تک کہ اس پر وعید عذاب فرمائی ہو مکروہ تنزیہہ فعل ناجائز نہیں ہوتا۔ البتہ اس سے بچنا اچھا ہے۔

(۱۳) خلاف اولیٰ :۔ وہ فعل جس کا نہ کرنا بہتر تھا۔ کیا تو کچھ مضائقہ اور عتاب نہیں یہ مستحب کا مقابل ہے۔

نکاح وطلاق کے متعلق بعض اہم مسائل

عورت کو طلاق کا حق :۔ یہ تجویز کہ مرد کی طرح عورت کو بھی طلاق دینے کا حق دیا جائے۔ کتاب وسنت کی نصوص صریح کے خلاف ہے۔ سنت تو الگ رہی۔ قرآن میں ایک خفیف سے خفیف اشارہ بھی اس کی تائید میں نہیں ملتا۔ قرآن نے صریح لفظوں میں مرد کو قوام قرار دیا ہے۔

۱۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس فضیلت کی بناء پر جو ان کے بعض کو بعض پر دی گئی۔ اور اس لیے کہ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بعض ایسی طبعی خصوصیتیں اور قوتیں ہیں جو صرف مرد کو دی گئی ہیں عورتوں کو نہیں۔ انہیں طبعی قوتوں کی بناء پر مرد اپنے اہل کے نان نفقہ، اولاد کی تربیت اور خاندان کے تمام امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مرد کی یہ برتری ان کی مشترک زندگی میں سرداری حاکمیت کی برتری ہے۔ اور مرد کی ذمہ داریوں کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کو یہ مقام حاصل ہو۔ چنانچہ اسی برتری کی بناء پر میراث بھی مرد کو ڈبل ملتی ہے اور اس کو تعدادِ ازدواج کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ اور طلاق کا دینا بھی مطلقاً اس کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن میں جہاں عورت ومرد کے حقوق کا بیان ہے وہاں اس حقیقت کا اظہار بھی واضح لفظوں میں کر دیا گیا ہے۔ کہ گو عورت ومرد حقوق انسانیت میں برابر ہیں مگر مرد کو بہر صورت عورت پر درجہ حاصل ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَة“۔

عورتوں کے لیے معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں (مگر اس کے باوجود) مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ عقد نکاح تک تو طرفین کی رضا کا ہونا ضروری ہے۔ مگر مرد کی قوامیت اور اس کے درجہ کی بلندی کی وجہ سے اس عقد کو توڑنے کا حق صرف مرد کو ہے۔ عورت مرد سے طلاق مانگ سکتی ہے۔ مگر از خود جدا نہیں ہو سکتی۔

۳۔ اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ۔ وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے۔

۴۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جہاں طلاق دینے کا ذکر آیا ہے تو طلاق کا فاعل صرف مرد کو بنایا گیا ہے۔ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں طلاق دینے کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہو۔

(۱) فَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ (۲) اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ (۳) فَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ (۴) اذا نکحتم المؤمنات ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ۔

اس کے برعکس اس سلسلہ میں جب عورت کا ذکر آیا ہے۔ تو مطلقات (یعنی وہ ذات جس پر طلاق واقع ہوئی) سے آیا ہے تو اگر عورت کو بھی مرد کی طرح طلاق دینے کا اختیار ہوتا تو کہیں تو طلاق کا فاعل عورت کو بنایا جاتا۔

(۵) اسی طرح سنت نبوی میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں عورت کو طلاق دینے کا حق تسلیم کیا گیا ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد تو یہ ہے۔ اَلطَّلَاقُ لِمَنْ اَخَذَ السَّاقَ ۔ خود یورپ کے ارباب اختیار عورتوں کو طلاق کا حق دے کر سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور وہاں کے عوام اور خواص اس غیر فطری آزادی دیئے جانے کو سخت تشویش کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

یورپ میں طلاق کا مسئلہ:۔ انگلستان میں شادی کی ناکامی اور طلاق کا مسئلہ کچھ عرصہ سے نازک صورت اختیار کر گیا ہے، اگرچہ کلیسا اور دوسرے سوشل ادارے اس پریشان کن مسئلہ کی طرف پر اثر توجہ دے رہے ہیں۔ مگر اس کا حل تلاش نہیں کر پاتے۔

انگلستان میں ۱۹۴۷ء میں کوئی ساٹھ ہزار طلاقیں ہوئیں۔ یہ تعداد زمانہ جنگ کی سالانہ تعداد سے آٹھ گنا زیادہ تھی۔ اس کے بعد کسی نہ کسی طرح طلاقوں کی بھرمار پر قابو پایا گیا۔ مگر پھر بھی ہر سال تیس ہزار طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ نیشنل میرج گائیڈنس کونسل لندن کے سیکرٹری مسٹر پریشیا نے بی بی سی ٹیلی ویژن پر ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ۔ اس بیماری کا سب سے بڑا سبب مرد و عورت میں مساوات ہے۔ از روئے قانون یا رواج جہاں بھی مرد و عورت مساوی تسلیم کئے جائیں گے اس کا نتیجہ لازمی طور پر شادیوں کی ناکامی کی صورت میں نکلے گا۔

انگلستان میں عورتیں مرد کی کوئی بات سننا گوارا ہی نہیں کرتیں۔ رعب اور دھونس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں مرد نے ذرا آنکھیں دکھائیں میم صاحبہ طلاق کے لیے رجسٹرار کے دفتر میں جا پہنچیں۔ برطانیہ کے لاٹ پادری آرچ بشپ آف کنٹربری نے شادی وطلاق کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے طلاق کے جو اعداد و شمار پیش کیے تھے اس سے اندازہ لگائیے۔ کہ ستر سالوں میں اس ملک میں طلاقوں میں کس قدر اضافہ ہو گیا۔

سال	شادیاں	طلاقیں	سال	شادیاں	طلاقیں
۱۸۷۱ء	۱۹۰۱۱۲	۱۷۱	۱۹۳۳ء	۳۱۸۱۹۱	۴۰۴۲
۱۹۱۸ء	۲۶۷۲۱	۵۹۵	۱۹۵۳ء	۳۴۴۴۸۸	۳۰۳۶۶
۱۹۲۰ء	۳۷۹۹۸۲	۳۰۹۰	نوائے وقت	۲۱ مئی ۱۹۵۶ء	

یہ خلاصہ ہے اس مکتوب کا جو نمائندہ نوائے وقت مقیم لندن نے نوائے وقت ۲۸ مئی ۱۹۵۶ء میں شائع کرایا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ عورتوں کو طلاق کا غیر فطری حق دیئے جانے سے کتنے برے نتائج رونما ہو رہے ہیں۔

پھر وہاں عورتیں اپنے شوہروں کو کس بناء پر طلاق دے دیتی ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) میرا خاوند میرے آداب سے واقف نہیں ہے۔ (۲) یہ میری بلی کا بوسہ نہیں لیتا۔ (۳) اس کے چہرہ پر نحوست برستی ہے۔ (۴) اس کی خرخراہٹ سے میری نیند میں خلل آتا ہے۔

غرضیکہ ایسی مضحکہ خیز اور ذلیل وجوہات کی بناء پر انگلستان کی عورت اپنے خاوند کو ٹھکرا دیتی ہے۔ غور کیجئے کیا طلاق دینے کی یہ وجوہات کوئی معقولیت رکھتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب بھی عورتوں کو یہ حق دیا جائے گا تو اس سے ایسے اور اس سے بھی زیادہ ذلیل نتائج کا رونما ہونا لازمی ہوگا۔

اسلام نے اگر طلاق کا حق صرف مرد کو دیا ہے تو عورت کے مزاج اور اس کی فطرت اور عورت و مرد کے درمیان حقوق واختیارات کے تناسب کے لحاظ سے ہی دیا ہے۔

نیز اسلام نے نان ونفقہ بچوں کی رضاعت وحضانت کا پورا خرچ مرد پر ہی ڈالا ہے۔ نکاح کے بعد مرد کی ذمہ داریاں عورت سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ وہ اگر طلاق بھی دیتا ہے تو بھی عورت کو کچھ دینا ہی پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ عورت کے خاندان کی پوری دشمنی بھی مول لینی پڑتی ہے۔ اس لیے مرد طلاق کا حق استعمال کرنے میں احتیاط سے کام لے گا۔

اس کے برعکس عورت پر نکاح کے بعد کوئی مالی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اس کو ان خطرات کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا۔ جو مرد کو طلاق کا اختیار استعمال کرنے میں پڑتا ہے۔ اس لیے عورت طلاق کا حق استعمال کرنے میں سخت بے احتیاطی کر سکتی ہے اور ذرا سے خلاف مزاج واقعہ کے ظہور پر بے تکلف طلاق دے سکتی ہے۔ غرضیکہ شرعاً وعقلاً جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے عورت کی طرف طلاق کے اختیار کو منتقل کر دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر اس غلط طریقہ کو رائج کر دیا گیا۔ تو اس سے معاشرہ میں وہ برے نتائج برآمد ہوں گے جس کا تصور بھی آج ہم نہیں کر سکتے۔

تفویض طلاق:۔ البتہ یہ جائز ہے کہ بوقت نکاح عورت خاوند کی مرضی سے شرط کرے کہ مجھے طلاق لینے کا حق ہوگا۔ لیکن یہ شرط محض شوہر کی رضا پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو معاہدہ نکاح میں اس شرط کو درج کر دے اور چاہے تو نہ کرے۔ کیونکہ تفویض طلاق کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے شوہر کو طلاق کا جو اختیار دیا ہے۔ وہ چاہے تو اصالتہً یا وکالتاً جسے چاہے سونپ دے۔ اسی طرح عورت کو بھی وہ تفویض کر سکتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مرد پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ایسا کوئی قانون ہی بنایا جا سکتا ہے کہ ہر نکاح کرنے والا معاہدۂ نکاح میں تفویض طلاق کی شرط کو ضرور مان لے۔ کیونکہ اگر ایسا کر دیا گیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام نے جو اختیار مرد کو دیا ہے۔ وہ اس سے چھین لیا جائے۔

عورتوں کی مشکلات:۔ اب رہا یہ سوال کہ جب طلاق کا حق صرف مرد ہی کے لیے مخصوص ہے تو ایسی عورتیں کیا کریں جن کے شوہر نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ ان کے حقوق ادا کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ ایسی مظلوم عورتیں بھی موجود ہیں۔ مگر ان کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کر دیا ہے کہ ایسی عورتیں عدالت میں شکایت کر سکتی ہیں۔ عدالت کا یہ فرض ہے کہ عورت کو نفقہ دلوائے اور اگر شوہر کسی طرح بھی راضی نہ ہو تو پھر عدالت شوہر سے جبراً طلاق دلوائے۔ مگر اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ شوہر ہی سے طلاق دلوائی جائے اگر وہ لاپتہ ہے تو حکومت تلاش کروائے۔ اگر شوہر حاضر عدالت نہیں ہوتا تو اس کو جبراً عدالت میں حاضری پر مجبور کیا جائے۔

اسلام کا نظریہ طلاق:۔ واضح ہو کہ اسلامی شریعت نے مرد کا عورت کو طلاق دینا مطلق حیثیت سے جائز رکھا ہے یعنی وہ دخول سے قبل یا دخول کے بعد کسی وقت اور کسی وجہ سے بھی عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ وہ اس کا پابند نہیں ہے کہ وہ طلاق دینے کی وجوہات بتائے یا اس کی رجسٹری وغیرہ کرائے۔ مرد کو یہ حق اسی لیے ہے کہ امور زوجیت میں مرد قوام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر عورت کا مہر لازم ہوتا ہے۔ شادی کے اخراجات وہ برداشت کرتا ہے۔ عقد کے

ساتھ ہی بیوی کا نان ونفقہ اس پر فرض ہو جاتا ہے اس پر اور ہونے والی اولاد پر خرچ کرنا اسی کے ذمہ ہوتا ہے۔ان گراں بہا۔اہم ذمہ داریوں کے مقابلہ میں مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق کا حق دیا گیا۔

ایک دوسری حیثیت سے اس میں عورت کے لیے بہتری بھی ہے۔اس لیے کہ مرد پر اس بات کی پابندی کہ وہ طلاق کے اسباب بیان کرے۔بسا اوقات عورت کی بدنامی اور دوسری شادی سے محرومی کا باعث ہو جاتی ہے...... پھر جب شریعت نے مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق کا حق دیا ہے تو اس کے مقابلہ میں اس پر کچھ فرائض بھی عائد کیے ہیں جن کا مقصود عورت کے حقوق کی حمایت اور اس کے مصالح کا لحاظ ہے یعنی جب مرد طلاق دے دیتا ہے تو اس کے بعد بھی عورت کے تعلق سے مرد پر چند ایسی ذمہ داریاں ہیں جن کو ادا کرنا اس پر لازم ہوتا ہے۔یہ ذمہ داریاں ایک لحاظ سے عورت کے لیے طلاق سے پیدا ہونے والے نقصانات کا بدل سمجھی جاسکتی ہیں اور دوسری حیثیت سے یہ مرد کو طلاق کے استعمال سے قبل سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔

اب ہم طلاق کی صورتوں کو صرف قرآن مجید کی آیات صریحہ سے بیان کرتے ہیں جن سے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت بھی ہوگی۔

۱۔یہ کہ طلاق کا حق صرف مرد کے لیے ہے۔

۲۔مرد غیر مشروط طور پر طلاق دینے کا حق رکھتا ہے۔اس کو طلاق کے اسباب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔طلاق کے حق کو استعمال کرنے سے قبل ہر ذی شعور انسان کو لازماً غور وفکر کرنا پڑتا ہے اور وہ انتہائی حالت میں ہی طلاق دیتا ہے۔

۴۔طلاق کے بعد عورت کو جو نقصان پہنچاتا ہے مرد کو بہر صورت اس کی تلافی کرنی پڑتی ہے۔

طلاق کی صورتیں: (۱) اگر دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل دی جائے۔تو مرد پر متعہ دینا واجب ہے قرآن مجید میں ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (بقرہ ۲۳۶)

ترجمہ: تم پر کچھ مطالبہ نہیں اگر طلاق دو تم عورتوں کو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ کوئی مہر مقرر کیا ہو اور

ان کو کچھ برتنے کو دور مقدور والے پر اس کے لائق اور تنگدست پر اس کے لائق حسب دستور کچھ برتنے کے لیے یہ واجب ہے بھلائی والے پر۔

(۲) اور اگر طلاق دخول سے قبل اور مہر مقرر کرنے کے بعد دی گئی ہے.....تو نصف مہر دینا واجب ہے قرآن میں ہے۔ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔

ترجمہ: اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دے دی اور ان کے لیے مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا اس کا آدھا واجب ہے۔

(۲) اگر دخول کے بعد طلاق دی گئی ہے تو عورت کو مقدار مہر مقرر ہونے کی صورت میں مقرر شدہ مہر دیا جائے گا۔ ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ شادی کے موقع پر اور اس کے بعد جن اشیاء کو مرد نے اس کی ملک کر دیا ہے وہ بھی واپس نہ لے سب اسی کو دے دے۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا . اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا۔ ترجمہ: اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا اسے واپس لو گے جھوٹ باندھ کر اور صریح گناہ سے۔

یہ آیات اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق دینے کا حق ہے۔ وہ کسی وجہ سے بھی طلاق دے سکتا ہے۔ طلاق کے لیے رجسٹری اور اس کے اسباب بتانے کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوتی۔ وہ ایک کو طلاق دے کر دوسری شادی بھی کر سکتا ہے اور عاقل و بالغ مرد کی طلاق جبر صورت لازم و جائز ہو جاتی ہے۔

عدت کی ذمہ داری: پھر اسی پر بس نہیں۔ اس کے بعد مرد پر بھی یہ واجب ہے کہ عورت کی عدت ختم ہونے اور اس کے کسی دوسرے سے نکاح کے قابل ہونے تک اس کا نان ونفقہ سکنی دے۔ اگر مطلقہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (طلاق) ترجمہ: اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

اور اگر حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت تین قروء ہے یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین حیض اور امام شافعی کے

نزدیک تین طہر اور اگر خائفہ ہے، تو اس کی عدت کامل تین ماہ (قمر مہینہ سے) ہے۔

نکاح کی عمر: قرآن وحدیث نے نکاح کے لیے عمروں کا تعین نہیں کیا اور نہ قرآن میں ایک عمر خاص سے پہلے نکاح کو ناجائز ٹھہرانے کے حق میں کوئی دلیل موجود ہے۔

۱. فانکحوا ما طاب لَکُمْ مِنَ النِسَاءِ۔ نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمھیں پسند آئیں۔

۲. و اُحِلَّ لَکُمْ ما وراءَ ذَالِکُمْ۔ (حرمات کے سوا) جو عورتیں ہیں وہ تمھیں حلال ہیں۔

۳. و المُحصنٰتِ مِنَ المُؤمِنٰتِ۔ اور مسلمان پارسا عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں۔

ان آیات میں صاف وصریح طور پر اپنی پسند کی عورت سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے اور عمر کی قید نہیں لگائی گئی۔ جب قرآن نے عمر کی قید نہیں لگائی تو کسی کو عمر کی قید لگانے کا کیا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک تمام مسلمان کم سنی کے نکاح کے جواز کے قائل رہے ہیں۔ اور سنت نبوی میں تو اس کے جواز کی نظائر موجود ہیں۔

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ کا نکاح تمیر ۶ یا ۷ سال حضور سید عالم ﷺ سے کیا۔

۲۔ حضرت علی مرتضی نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کم سنی میں کیا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کمسنی میں حضرت عروہ بن زبیر سے کیا۔

۴۔ خود حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دو۔ مبادا وہ کسی فتنہ وخرابی میں مبتلا ہو جائے۔

جب حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے کم سنی کی شادی کا جواز ثابت ہے تو پھر اس کو کیسے ناجائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا حضور اکرم، صدیق اکبر اور علی مرتضی نے (معاذ اللہ) ایک ناجائز کام کیا؟

کم سنی کی شادیاں روکنے کے لیے کسی قانون کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرہ میں اس کا رواج پہلے ہی سے بہت کم ہے۔ شاذ شاذ ہی کسی خاندان میں ایسا ہوتا ہے۔ ثانیاً عمر مقرر کر دینے میں بہت سی خرابیاں بھی ہیں۔

بعض اوقات کسی خاندان کی ضروری مصلحتیں اس کی متقاضی ہوتی ہیں کہ وہ کمسنی میں اپنے بچوں کی شادی کر دیں۔عمر کی قید لگانے سے ان کی مصلحتوں کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔مثلاً ایک غریب شخص جس کے وسائل بہت کم ہیں اور متعدد بالغ اولادیں موجود ہیں جن سے اسے عہدہ برآ ہونا ہے۔آج اس کو مناسب رشتہ مل رہا ہے۔لیکن وہ صرف اس لیے اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی نہیں کر سکتا۔کہ ان کی عمر میں چند ہفتہ یا چند ماہ یا سال دو سال کی دیر ہے۔ہو سکتا ہے کہ بعد میں وہ رشتہ ہاتھ سے نکل جائے۔یا وہ وسائل نہ رہیں۔

اسی طرح ایک شخص بیمار ہے۔اس کو اپنی زندگی کی امید نہیں۔وہ چاہتا ہے کہ اپنی بالغ لڑکی کا نکاح کر دے تاکہ دنیا سے سکون واطمینان کے ساتھ رخصت ہو۔مگر عمر کا سوال حائل ہوتا ہے۔وہ نکاح نہیں کر سکتا۔اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ لڑکی کا کوئی پرسان حال نہ ہوا۔اور اس کی زندگی شریروں کے ہاتھوں برباد ہو جائے۔

ایک اور شخص ہے اور اس کا لڑکا آوارہ ہے۔وہ اس کی آوارگی کے سدباب کے لیے اس کی شادی کرنا چاہتا ہے۔مگر اٹھارہ سال سے پہلے اس کی شادی نہیں کر سکتا۔اگرچہ اس کا لڑکا ایک غنڈا ہی بن کر کیوں نہ رہ جائے۔

پھر ہمارے موجودہ معاشرہ کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ عمر کی قید بالکل نہ لگائی جائے۔نیز ہمارے ملک میں سولہ سال سے پہلے ہی لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں۔عمر کی قید لگانے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان لڑکیوں کی شادی پر تو اعتراض ہے۔لیکن اگر وہ کسی دوسرے طریقے سے جنسی تعلقات پیدا کرلیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ...... اب رہا یہ سوال مثلاً لڑکا جوان ہو کر لڑکی کو پسند نہیں کرتا یا اس کا عکس یا اسی قسم کی اور بھی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لیے شریعت نے طلاق مقرر کر دی ہے کہ اگر بالغ ہونے کے بعد زوجین میں نباہ کی شکل نہ ہو سکے تو طلاق لے لی جائے۔اور اگر شوہر طلاق نہ دے تو عدالت میں اس سے جبراً طلاق دلوائی جائے۔پھر اگر نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ دادا کے علاوہ کسی ولی نے کر دیا ہے تو ایسی صورت میں بعد از بلوغ لڑکی کو نکاح فسق کرنے کا اختیار بھی ہوتا ہے البتہ دقت اس صورت میں پیش آسکتی ہے جبکہ نابالغہ کا نکاح اس کے باپ یا دادا نے کیا تو اب لڑکی بعد از بلوغ فسخ نکاح کا اختیار نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ جو ولی نکاح کرے گا اس میں شفقت ومحبت کی کمی کا احتمال ہے، یہ ممکن ہے کہ اس ولی نے لڑکی کے مستقبل کی درستگی کے لیے معقول قدم نہ اٹھایا ہو۔لیکن باپ دادا کی شفقت ومحبت کامل ہوتی ہے۔وہ بہر حال کمسنی میں بھی اپنی لڑکی کا جہاں نکاح کریں گے۔حتی المقدور اس کی بھلائی اور مستقبل کا خیال رکھ کر ہی کریں گے۔گویا باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ایسے ہی ہے جیسے خود بالغ لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کرلے پھر

جیسے ایک بالغ لڑکی جب اپنی مرضی سے نکاح کرتی ہے تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد زوجین میں نباہ نہ ہو اور اس صورت میں اس کو فسخ نکاح کا اختیار بھی نہیں ہوتا۔ ایسے ہی جب باپ دادا نابالغہ کا نکاح کردیتے ہیں تو خوب سمجھ سوچ کر اور لڑکی کے مصالح کا خیال رکھ کر ہی کرتے ہیں۔ اب یہ تو اتفاق ہے کہ جوان ہو کر زوجین میں نباہ نہ ہو سکے۔ اس لیے باپ دادا کا کمسنی میں کیے ہوئے نکاح کو کوئی فسخ نہیں کرسکتا۔ لیکن اس صورت میں بھی عورت کو عدالت میں یہ شکایت کرنے کا حق حاصل ہے کہ میرا خاوند میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ عدالت ثبوت مہیا ہونے کی صورت میں عورت کے حقوق پورے کرائے گی اور بصورت دیگر خاوند سے جبراً طلاق بھی دلوا سکتی ہے۔ بہر حال اصل بات تو اس باب میں یہ ہے کہ جب شریعت اسلامیہ نے نکاح کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں لگائی اور کم سنی کے نکاح کو جائز ولازم قرار دیا۔ تو پھر کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ عمر کی قید لگائے۔ جب قرآن وحدیث نے سولہ اور اٹھارہ سال سے کم عمر میں شادی کی ممانعت نہیں کی تو اس کو جائز ہونا چاہیے۔

الغرض نکاح خالص دینی امور سے ہے اور اس کے ارکان وشرائط شریعت نے خود مقرر کردیے ہیں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان ارکان وشرائط میں کمی بیشی کرسکے۔

حتی کہ اسلام میں نکاح کے انعقاد کے لیے صرف ایجاب وقبول کافی ہے اور عاقل وبالغ ہونا اور دو گواہوں کا ہونا یہ شرط ہے۔ جب ارکان نکاح اور شرائط نکاح حسب قواعد شرع پائے جائیں گے۔ نکاح جائز ولازم قرار پائے گا۔ کتاب اللہ وسنت نبوی نے نکاح کے جواز کے لیے فارم نکاح پر زوجین کے دستخط نشان انگوٹھا رجسٹری اندراج حکومت کے کارندہ کو اطلاع دینا۔ حتیٰ کہ بوقت نکاح مہر کا ذکر بھی ضروری نہیں بتایا اور نہ یہ ضروری ہے کہ ایجاب وقبول مولوی صاحب ہی کرائیں۔

طلاق ثلاثہ: تمام آئمہ کرام اور جمہور مسلمین کے مسلک کے خلاف ہے اور کتاب وسنت سے اس معاملہ میں جو دلائل ملتے ہیں وہ تو اسی کی تائید کرتے ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی تصور ہوں گی۔ حضور ﷺ کا صریح ارشاد موجود ہے۔

کُلُ طَلَاقٍ جَائِز" اِلاَّ طَلَاقِ الصَّبِي وَ الْبَعْتُوْهْ۔ ہر شخص کی طلاق (خواہ وہ کسی طرح دی گئی ہو) نافذ ہو جائے گی مگر بچہ اور دیوانہ کی نہ ہوگی۔

البتہ اس زمانہ میں اہل حدیث علماء جمہور کے اس مسلک کے خلاف ہیں۔ مگر مولانا داؤد غزنوی (صدر جمعیت اہل حدیث) نے اپنے بیان میں صاف طور پر اس امر کا اظہار کیا تھا کہ۔

''آئمہ اربعہ کے واضح ارشادات کی موجودگی میں شادی بیاہ کمیشن کے اراکین قطعاً اس کے مجاز نہیں ہیں کہ وہ ان آئمہ کی تصریحات کے خلاف اپنا فیصلہ ان پر ٹھونسیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو خوف ناک احتجاج کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔''

دوسری بات جو ہمیں کہنی ہے وہ یہ ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کہ طلاق میں کمی ہو جائے یا یہ کہ ایسی طلاق سے نکاح فسخ نہ ہو۔ لیکن اس طرح بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بیک وقت دی گئی۔ تین طلاقوں کا ایک تو لامحالہ ماننا پڑے گا اور ایک طلاق سے بھی نکاح ٹوٹ سکتا ہے۔ مذکورہ بالا قانون بن جانے کے بعد لوگ بیک وقت تین تو نہ دیں گے۔ صرف ایک ہی طلاق دے کر عورت کو عدت گزارنے دیں گے۔ یہاں تک کہ بعد از عدت وہ ایک طلاق سے بائن ہو جائے گی۔

ب۔ یا پھر وہ شریعت کی ہدایت کے مطابق طلاق احسن دے کر بیوی کو اپنے نکاح سے خارج کر دیا کریں۔

دوسری شادی: کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ عدالت دوسری شادی کی اجازت اس صورت میں دے جبکہ اسے یہ اطمینان ہو جائے کہ درخواست دہندہ اپنی دونوں بیویوں اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کی اس معیار زندگی کے مطابق کفالت کر سکتا ہے جس کے وہ عادی ہیں۔ ناجائز ہے لیکن اس مصلحت سے کہ ایک قدم کے بعد دوسرا قدم اٹھانا چاہیے۔ صرف دوسری شادی کے لیے عدت سے اجازت کی سفارش کی ہے۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ تعداد ازدواج ممنوع ہے! جواب یہ ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج ممنوع نہیں! اس کے متعلق ہم عنقریب مفصل بحث کریں گے۔

دوم یہ کہ دوسری شادی کے لیے عدالت کی اجازت کی شرط ضروری ہے اس موقع پر ہمیں اسی شق سے بحث کرنی ہے۔ اصل یہ ہے کہ شریعت نے نہ عقد اول کے لیے عدالت کی شرط باندھی ہے اور نہ عقد ثانی ثالث ورابع کے لیے۔ اسلام میں ایک مرد کو اس امر کی کھلی اجازت ہے کہ وہ جب چاہے نکاح ثانی وثالث ورابع کرے چنانچہ قرآن کریم نے جہاں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ وہاں بعض پابندیاں تو ضرور عائد کی ہیں۔ لیکن عدالت سے اجازت حاصل کرنے کی کوئی پابندی نہیں لگائی ہے۔

۱ . فَانکِحُوا مَا طَابَ لَکُم مِنَ النِّسَاءِ مَثنیٰ وَ ثُلٰثَ وَ رُبَاعَ ۔ ترجمہ: نکاح کرو جو عورتیں تم کو خوش آئیں ۔ دو دو، تین تین، چار چار۔

۲ . فَاِن خِفتُم اَن لَّا تَعدِلُوا فَوَاحِدَۃً ۔ اگر تم ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ (۱) بیک وقت چار سے زیادہ شادیاں نہیں ہوسکتیں (۲) یہ کہ ان بیویوں میں حتیٰ الامکان مساویانہ سلوک کیا جائے (۳) یہ کہ اگر عدل نہ ہونے کا اندیشہ لاحق ہو تو پھر ایک ہی پر اکتفا کیا جائے۔

اگر عدالت سے اجازت کی شرط قرآن عائد کرنا چاہتا تو ان کے ساتھ اس کا بھی صاف صاف ذکر دیتا لیکن عدالت سے اجازت کی شرط تو درکنار اس آیت میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔ لہذا عدالت سے اجازت کی پابندی صریحاً قرآن کے خلاف ہے۔ ایک اور آیت قرآن کی ملاحظہ فرمایئے۔

وَ اِن اَرَدتُّمُ استِبدَالَ زَوجٍ مَّکَانَ زَوجٍ وَّاٰتَیتُم اِحدٰھُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَاخُذُوا مِنہُ۔

اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت اور دے چکے ہو ایک کو بہت مال تو وہ اس سے واپس نہ لو۔

یہ آیت کتنی صاف ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر چاہو تو دوسری شادی کر سکتے ہو مگر پہلی بیوی کو جو اشیاء دے چکے ہو خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں ۔ واپس مت لو۔

غور کیجیے قرآن نے دو جگہ دوسری شادی کا ذکر کیا ہے۔ مگر دونوں مقام پر نہ یہ قید ہے کہ عدالت سے اجازت لے کر دوسری شادی کی جائے اور نہ یہ قید ہے کہ عدالت اس امر کا اطمینان کر کے کہ یہ دونوں بیویوں کا خرچ اٹھا سکے گا۔ اجازت دے۔

اصل یہ ہے کہ تعدد ازدواج کے معاملہ میں اسلام نے یہ ہدایت تو ضرور کی ہے کہ تمام بیویوں میں عدل و انصاف رکھا جائے۔ اور جو شخص عدل قائم رکھنے کی طاقت نہیں پاتا وہ ایک پر اکتفا کرے لیکن عدل و انصاف قائم رکھنے کی مرد میں قدرت ہے یا نہیں ۔ یہ سب امور مرد کی صواب دید پر چھوڑے گئے ہیں ۔ جب ایک شخص ایک سے زائد شادیاں کر کے کوئی ناانصافی یا حق تلفی کرتا ہے تو اسلامی قانون اس صورت میں مداخلت کرتا ہے اور مرد کو اپنی بیویوں کے حقوق مساوی طور پر ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے لیکن اس سے پہلے وہ اس معاملہ میں مداخلت نہیں کرتا کہ مرد عدل و انصاف قائم رکھ بھی سکے گا یا نہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری شادی کی اجازت کے لیے یہ معلوم کرنا کہ مرد اپنی بیویوں میں عدل و انصاف قائم

رکھنے کی قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ اس کی ضابطہ بندی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور جو شخص اس معاملہ میں کوئی حتمی ضابطہ مقرر کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو اس کا یہ قدم قانون فطرت کے یقیناً خلاف ہوگا۔

بتائیے آپ کے پاس اس کا کیا ذریعہ ہے کہ ایک شخص کا ذریعہ آمدنی نہ صرف دونوں بیویوں کے لیے کفالت کرے گا۔ بلکہ ان سے پیدا ہونے والے بچوں کے لیے بھی کفالت کرے گا۔ اور یہ کہ دونوں کے ساتھ یکساں انصاف بھی کرے گا اور یکساں محبت بھی کرے گا۔ یہ کون بتا سکتا ہے کہ اس کے کتنے بچے ہوں گے اور جو آمدنی آج اس کی ہے وہ کل بھی رہے گی۔ جو شخص بھی نئی شادی کی اجازت لینے کے لیے عدالت میں جائے گا۔ وہ تو یہ ہی کہے گا کہ میں دونوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کروں گا۔ دونوں پر جان نثار کروں گا۔ آخر کیسے معلوم کیا جائے گا۔ کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے شادی کے بعد اس پر عمل بھی کرے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر اس نے زوجین کی حق تلفی کی تو اس کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے۔ یہ تو ایک ایسی بات ہے جس کا حق اسلامی قانون میں ہر عورت کو حاصل ہے۔ اگر ایک عورت اپنے شوہر سے زیادتی کی شکایت رکھتی ہے تو اسلامی قانون کی رو سے اسے عدالت میں چارہ جوئی کی اجازت ہے۔ یہاں وسوال صرف یہ ہے کہ شادی سے پہلے عدالت کو مطمئن کرنے کی جو سفارش کی جا رہی ہے اس کا فائدہ کیا ہوا؟

اگر یہ کہا جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس کے متعلق کوئی ضابطہ نہیں مقرر کیا جا سکتا۔ مگر اس شخص کے مال و اسباب جائیداد اور ذرائع آمدنی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں بیویوں کے اخراجات اٹھائے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اندازہ کی بنیاد صرف امکان پر ہوگی اور محض امکان کی بنیاد پر کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ قانون کی بنیاد ہمیشہ ٹھوس اور محکم اصولوں پر ہوا کرتی ہے۔ محض اس مکان پر کہ چونکہ یہ چوری کر سکتا ہے۔ اس لیے اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ یا چونکہ امکان ہے کہ اس کے ذرائع آمدنی قائم رہیں گے۔ اس لیے اس کو دوسری شادی کی اجازت دے دو۔ کہاں کی عقلمندی ہے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جس شخص کو ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی سے روکا جا رہا ہے۔ شادی کے بعد مالدار ہو جائے۔

پھر اسی شق کو لیجیے کہ عدالت اس کے موجودہ ذرائع آمدنی کا جائزہ لے کر اجازت دے گی۔ تو عدالت صرف موجودہ حالت کا ہی جائزہ لے سکتی ہے۔ مگر کیا خبر کہ اس سیکنڈ میں جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ دوسرے سیکنڈ میں بھی وہی رہے گا۔ دراصل سوال اس معاملہ میں موجودہ حالت کا نہیں۔ بلکہ آئندہ حالات کا ہے۔

اس کے علاوہ ایسا قانون بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ہمارے معاشرہ میں یہ بات پہلے ہی سے رائج

ہے۔ ہر شخص موجودہ حالت کا اندازہ لگا کر ہی شادی کرتا ہے۔ والدین کی ہر ممکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ ایسے کے ساتھ شادی کی جائے جو اخراجات بھی اٹھا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے شادی سے پہلے۔ مرد عدل وانصاف قائم رکھ سکتا ہے یا نہیں ﷺ اس کے لیے کوئی ضابطہ مقرر نہیں فرمایا۔ کیونکہ یہ ضابطہ کی چیز تھی ہی نہیں۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ "سفارش" کہ عدالت اس صورت میں نکاح ثانی کی اجازت دے۔ جبکہ ایک شخص دو بیویوں اور ان کی اولاد کی کفالت کرسکتا ہو۔ یہ نہ صرف قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہے۔ بلکہ نہایت مضحکہ خیز اور لچر بھی ہے۔

ا۔ عدل کا حکم صرف دو بیویوں سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ ایک سے بھی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جو شخص ایک بیوی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کی کفالت نہ کرسکتا ہو۔ اس پر کوئی پابندی نہ عائد کی جائے۔ حالانکہ اصولی طور پر تو صرف ایک نکاح کرنے والے کے لیے بھی عدالت کی اجازت لینا ضروری ہونا چاہیے۔ اور جب تک نکاح کا ہر خواہش مند عدالت کو مطمئن نہ کردے۔ اس وقت تک کسی کو نکاح کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔

عدالتی اجازت، کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ یہ صرف غریب طبقہ کے لیے تو عقد ثانی کی ممانعت کردے گی مگر امیر لوگ بہر صورت ایک سے لے کر چار تک شادیاں کرسکیں گے۔ کیونکہ وہ اپنی مالی پوزیشن کے متعلق عدالت کو اطمینان دلا سکتے ہیں۔ چنانچہ عائلی آرڈی نینس کے مطابق آج کل یہ ہی کچھ ہو رہا ہے۔

۳۔ پھر اس پابندی کی ایک دلچسپ کمزوری یہ بھی ہے کہ عدالت صرف یہ دیکھ کر دوسری شادی کی اجازت دے گی۔ کہ یہ شخص دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کی کفالت کرسکتا ہے۔ لیکن اس کی کیا ضمانت ہوگی کہ وہ شادی کرنے کے بعد عملاً بھی متکفل ہوگا۔ ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ باوجود بڑی بڑی آمدنیاں رکھنے کے لوگ ایک بیوی کو تو اچھی طرح رکھتے ہیں۔ اور دوسری کے ساتھ ان کا برتاؤ ٹھیک نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلی کو معلق چھوڑ بھی دیتے ہیں۔ عدالت کی اجازت کی پابندی ان خرابیوں کا کیا سد باب کرسکتی ہے۔ اس لیے حق یہ ہی ہے کہ ان خام تجویزوں کی بجائے شریعت اسلامیہ کے اس قاعدہ ہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ کہ ایک شخص ایک سے زائد نکاح کے معاملہ میں اپنی مرضی کا مختار ہے اور جس بیوی کو بھی شوہر سے کسی قسم کی بے انصافی کا شکوہ ہو تو اس کے لیے عدالت کا دروازہ کھلا ہے۔

تجسس عیوب (اسلام کی نظر میں)

انسانوں میں صرف انبیاء کرام ہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جو ہر قسم کے گناہوں سے پاک ومنزہ اور معصوم ومحفوظ ہیں۔ عام انسان خواہ وہ علم وفضل اور روحانیت کے کیسے ہی اعلیٰ مقام پر فائز ہوں معصوم نہیں ہیں۔ نسیان خصائص انسانیت سے ہے اور خطاء وشعار آدمیت سے بلکہ خطا تو اللہ عزوجل کی پاک ومعصوم مخلوق ملائکہ ومقربین سے بھی ممکن ہے۔ انسان سے قصد وعمد نسیان وخطا کی بنیاد پر گناہ ہوتے ہیں۔ اور کوئی شخص ہر قسم کے گناہوں سے پاک ومعصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ تمام انسانوں میں اخلاقی ودینی کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور خطاونسیان وعصیان وطغیان سے بالکل پاک وصاف ہونا بہت مشکل ہے۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ جہاں اس نے فضائل اخلاق کی خوبیوں اور اس کے ثمرات عالیہ ونتائج غالیہ کو بیان کیا ہے وہاں رذائل اخلاق کی تعریف وحدود اور اس کی خرابیوں کی بھی نشان دہی کی ہے تا کہ اخلاق حسنہ کو اپنا کر مسلمان دین ودینوی ترقی اور سعادت واقبال کی منزل پر پہنچ جائیں اور اخلاق مذمومہ کو ترک کر کے اس کے دینی ودنیاوی نقصانات سے محفوظ ہوجائیں رذائل اخلاق میں سے نہایت قلیح اور معاشرہ کے لیے نہایت نقصان دہ خصلت۔ تعمق۔

تشدد۔ تجسس وتفسیش بھی ہے عام طور پر اسے نہایت معمولی اخلاقی بیماری سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے بیماری خیال ہی نہیں کیا جاتا۔ مگر کتاب وسنت کی نصوص صریحہ کی روشنی میں یہ نہایت معیوب اور سخت مذموم اخلاقی بیماری ہے۔ عام طور پر یہ بیماری ایسے لوگوں میں بہت جلد پیدا ہوجاتی ہے۔ جو دیندار۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوں۔ یا عالم دین اور مبلغ اسلام ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے۔ نماز روزے کا پابند یا عالم دین اعمال صالحہ کی بناء پر بعض اوقات اپنی ذات میں ترتع کنزہ کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ یعنی وہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں شریعت پر عمل کرتا ہوں امور خیر میں حصہ لیتا ہوں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فرض ادا کرتا ہوں لہذا میں دوسروں کی نسبت بہت مقدس، پرہیز گار متقی ومتاط ہوں۔ یوں کہہ لیجیے کہ اپنی عبادت وریاضت تقویٰ وطہارت پر تکبر وغرور اعتماد ودوسروں پر اپنی ذات کے تفوق وبرتری کا خیال فاسد ایسے لوگوں کو دوسرے مسلمانوں کی خالص نجی۔ ذاتی اور گھریلو زندگی کے عیوب اور اخلاقی کمزوریوں کی تلاش وتفتیش۔ جستجو وٹوہ لگانے کا مریض بنا دیتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ جب کسی شخص میں مسلمانوں کے تجسس عیوب اور تفتیش

معصیت کا مرض پیدا ہو جائے تو وہ اپنے اس مذموم مرض کی ذلت وقباحت کو محسوس نہیں کرتا بلکہ اسے دینی خیر خواہی اور کار خیر سمجھتا ہے۔

زاہد نگاہ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ

کیا جانے اس کریم کو تو ہے کہ وہ پسند

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں، اور شارع اسلام حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشاد فیض بنیاد کی تصریحات جلیلہ جمیلہ کی رو سے ایسے اخلاق مذموم کا مریض خواہ بظاہر صوم وصلوٰۃ کا پابند یا عالم دین و مبلغ شریعت ہی کیوں نہ ہو قوم وملک اور معاشرہ کے لیے ایک فتنہ کبریٰ ہے۔

امر بالمعروف کا حکم اور تجسس عیوب کی ممانعت: اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی۔ اچھی باتوں کے لیے کہنا اور بری باتوں سے روکنا۔ قرآن پاک نے مسلمانوں کا ممتاز وصف قرار دیا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۔تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کے لیے لائی گئی اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور بری بات سے روکتے ہو۔

سورہ توبہ کے علاوہ سورہ لقمان عصر بلد میں بھی اسی مضمون کا ذکر ہے۔ اور حضور سید المرسلین علیہ السلام نے اس آیت کی توضیح میں فرمایا۔

من رای منکم منکر فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان۔ (مسلم کتاب الایمان)

جو تم میں سے خلاف شرع بات ومنکر، دیکھے (تو طاقت وحکومت ہو) تو ہاتھ سے روک کے مٹائے۔ اگر ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو زبان سے مٹائے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کو دل سے برا سمجھے یہ درجہ سب سے کمزور ایمان کا ہے۔

لیکن وہ آیات واحادیث جن میں امر بالمعروف کا حکم ہے ان میں اس بات کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ مسلمانوں کے عیوب ومعصیت کا سراغ لگایا کرو۔ من رای منکم کا مطلب تو صرف اس قدر ہے جو برائی (منکر) تم کو خود بخود نظر آ جائے۔ اسے ہاتھ یا زبان سے حسب استطاعت روک دو۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں (۱) کے پیچھے پڑ جاؤ۔ ان کے داخلی معاملات کی تحقیق اور ذاتی معائب کی جستجو میں لگ جاؤ۔ اور جب کسی مسلمان کی اخلاقی وعملی کمزوری

کی ٹوہ لگالو تو پھر اس کو ٹوکو۔ منع کرو۔ وعظ پلاؤ۔ اور بزعم خود اپنے اس فعل مذموم کو خلوص پر مبنی وعظ۔ دینی خیر خواہی اور الـذین النصیحة قرار دے دو۔ حق یہ ہے یہ دینی خیر خواہی، خلوص پر مبنی وعظ ہر گز نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں تو یہ فساد ہی فساد ہے۔ اور رذائل اخلاق میں سے ایک نہایت ہی مذموم اور قبیح خصلت ہے۔ کیونکہ اسلام نے دوسروں کے ذاتی معائب کی تحقیق و تفتیش جس کا نام تجسس اور ٹوہ لگانا ہے سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ یہ حق تو خلیفہ اسلام اور بادشاہ اسلام کو بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر یا جاسوس مقرر کر کے ان کی عملی و اخلاقی حالت و کیفیت کی جستجو کرے۔ یعنی غقب را درون خانہ چہ کار۔ اسی لیے قرآن مجید میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے۔

و لا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔ (حجرات۔۲) اور لوگوں کے عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

امام کبیر سیدی عبدالغنی نابلسی دمشقی حنفی اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

التجسس الذی نهی الله تعالیٰ عنه و معنا لا تتلبع عوارات المسلمین قال الله تعالیٰ و لا تجسسوا لما کان التجسس یوجب الاطلاع علی عیوب الغیر و الا طلاع ربما یوقع فی الغیبة قال الله تعالیٰ بعده و لا یغتب بعضکم بعضا الخ الحدیقته العدیه و لا یغتب بعضکم بعضا ایحب احد کم ان یا کل لحما اخیه میلتا فکر حتموه وتقوا الله ان الله تواب الرحیم۔ (حجرات۔۲)

یعنی تجسس کے معنی مسلمانوں کے پوشیدہ امور کی ٹوہ لگانے کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے لاتجسسوا فرما کر اس کی ممانعت کر دی پھر تجسس عیوب سے غیروں کے غیوب پر اطلاع ہوتی ہے تو اطلاع کبھی پیٹھ پیچھے دی جاتی ہے اس لیے قرآن مجید میں فرمایا۔ ولا یغتب بعضکم بعضا الخ۔ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا۔ کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمھیں گوارا ہوگا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ لوگوں کے ذاتی عیوب کی تلاش و جستجو۔ بھی غیبت ہے جسے قرآن نے مردہ لاش کا گوشت اپنے دانتوں سے نوچنے سے تشبہ دے کر اس کی کراہت و دنائت شدت کو بیان فرمایا ہے۔

مردہ لاش کا گوشت: لوگوں کے ذاتی معائب و کمزوریوں کی ٹوہ لگانے کو مردہ لاش کے گوشت نوچنے۔ ایسے سخت قابل نفرت کام سے تشبیہ دینا جس سے ہر انسان فطرۃً گھن کھاتا ہے نہایت بلیغ انداز میں یہ بتانا مقصود

ہے۔اس طریقہ مذمومہ سے امر بالمعروف کا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔اور جو زہدان خشک اور اہل تقشف بنام ورع و احتیاط عیوب مسلمین کی ٹوہ لگاتے تجسس و تحقیق کے مرض ذلیل میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی نفرت و وحشت ۔فتنہ وفضیحت کا باعث ہوتے ہیں۔وہ بزعم خود محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط ہو جاتے ہیں۔وہ اپنے اس تجسس وتعمق اور تشدد کو دینی خیر خواہی قرار دیتے ہیں اور اپنی اس روش فاسد کو تقوی واحتیاط کا نام دیتے ہیں حالانکہ ایسے لوگ خواہ وہ کسی طبقہ میں ہوں شریعت اسلامیہ کی نظر میں جاہل وغافل اور مغز حکمت ومقصود شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ سے ناواقف فتنہ پرداز اور فسادی قرار پاتے ہیں۔یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ راقم سمیت سب کے لیے (خواہ وہ عالم ہو فاضل ہو مفتی ہو مبلغ ہو، مدرس ہو عام ہو خاص ہو) شریعت اسلامیہ کا ضابطہ وکلیہ واجبۃ الحفظ نکتہ جمیلہ وحکمت جلیلہ وکوچہ سلامت وجادۂ کرامت ہے۔اسلام میں مدارات خلق والفت وموانست اہم امور سے ہے یہی وجہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی خوشی کے لیے مسکرادینا بھی عبادت ہے اور ہمارے رہبر ورہنما گنجینہ کیمیائے عالم پیش از جہہ پیشواء عالم ﷺ کا ارشاد رحمت یہ ہے۔

راس الحقل بعد الایمان التحبب الیٰ الناس ۔(طبرانی)

ترجمہ: ایمان باللہ کے بعد لوگوں سے الفت وموانست اصول عقل وحکمت سے ہے۔

تجسس عیوب کا ایک بھیانک پہلو: دوسروں کے عیب کی تلاش وجستجو اور ٹوہ لگانا کی ممانعت کے سلسلہ میں حضور سید عالم ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے۔

ان تتبعت عورات الناس افسد تھم (ابوداؤد) حدیقہ ندیہ۔

ترجمہ: اگر تم لوگوں کی کمزوریوں کی ٹوہ لگاتے پھروگے تو ان کو برباد کردوگے۔

جس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کی کمزوریوں کی ٹوہ لگا کر پھر اسے ٹوکنا۔امر بالمعروف نصح وخیر خواہی نہیں ہے۔اصلاح کا یہ طریقہ فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے یہ کسی فرد کے اصلاح کی تدبیر نہیں ہے بلکہ ہوتا ہی

ا۔علامہ نووی نے لکھا ہے۔ولیس الآمر بالمعروف. البحث واللتنقیر و التجسس واقتحام الدور بالظنون بل ان عثر علی منکر غیرا جھدہ. ھذا کلام امام الحرمین. للیس تحتسب ان یبحث عماله یظھر من المحھات. فلا یجوز التجسس علیه ولا کشف الاستار عنه (ملتعطا من النووی)

یہ ہے کہ واعظ و ناصح کی یہ نام نہاد خیر خواہی ملال و رنج کا باعث بنتی ہے۔ بلکہ مخالفت کی ضد پیدا ہو سکتی ہے اور پھر اصلاح کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو سکتا ہے۔ اس لیے وحی محمدی نے (قرآن میں) لاتجسسوا کا حکم دیا اور زبان رسالت نے لاتجسسوا کا۔

تجسس۔ بدظنی اور غیبت کی ممانعت: چنانچہ کتاب مجید میں تجسس عیوب۔ بدظنی اور غیبت کی قطعی طور پر ممانعت کی گئی۔

یا ایھا الذین آمنُوا اجتنبوا کثیراً مِنَ الظن اِنَّ بعض الظن اثم" وَ لا تجسسوا و لا یغتب ۔الخ (حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو بہت گمانو سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور عیب نہ ڈھونڈو۔ اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

(ا) اس آیت میں مسلمان سے بدظنی اور برے گمان رکھنے کی ممانعت فرمائی گئی۔ برا گمان یہ بھی ہے کہ محض کسی آتے جاتے کی سی سنائی بات کی بنیاد پر یا محض اپنے احساس ذاتی کی بنا پر کسی بات پر ٹوکا جائے اور اس ٹوکنے کو امر خیر کی طرف توجہ دلانا سمجھا جائے۔ جیسا کہ بعض زاہدان خشک و اہل تقشف کا وطیرہ۔

چنانچہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی: قدس سرہ (ا) العزیز نے اس موضوع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ میرے معروضات کی سوفصدی اس سے تائید و توثیق ہوتی ہے۔ اور ہم سب کا خواہ وہ علماء ہوں یا مبلغ یا عام مسلمان اس انداز کی تبلیغ و نصیحت سے جس سے فتنہ پیدا ہو احتراز کرنا چاہیے۔

الغرض آیت مذکورہ میں: مسلمان سے بدظنی بدگمانی سے منع فرمایا گیا۔ حضرت صدرالافاضل مرادآبادی قدس سرہ العزیز نے زیر آیت ان بعض الظن تحریر فرمایا کہ بدظنی کی ایک صورت

ا یہاں یہ بالکل ایک علیحدہ بات ہے کہ بعض خصوصی حالات میں امراء و سلاطین اسلام کو ملک و قوم کے مجموعی مفاد اور حقوق العباد کی حفاظت و صیانت کے لیے تجسس و تحقیق کی شرعاً اجازت ہے علامہ نووی نے لکھا ہے۔ و تد ذکر المادردی فی آخر احکام السلطانیہ بابا مشتملا علی جمل من قواعد الامر بالمعروف الخ (ملخصاً من النووی)

ا(۱) شریعت مطہرہ میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے۔ مثلاً مسلمان نے دعوت کی اب اس کے مال وطعام کی تحقیقات کی جائے کہاں سے آیا کیسے ملایا۔ حرام کا مال تو نہیں۔ بے شک سب باتیں وحشت دینے والی ہیں۔ اور مسلمان پر بدگمانی کر کے ایسی تحقیقات سے اسے ایذا دینا ہے خصوصاً جبکہ وہ شخص شرعاً معزز ومحترم ہو۔ جیسے عالم دین یا ذی عزت مسلمان۔

(۲) یہ گمان نہ کرے کہ خفیہ تحقیقات کر لوں گا۔ حاشا وکلا اگر اسے خبر پہنچی۔ اور نہ پہنچنا تعجب ہے اور روبرو پوچھنے سے زیادہ رنج کی صورت کما ہو مجرب ومعلوم۔ نہ یہ خیال کرے کہ احباب کے ساتھ ایسا برتاو برتوں گا۔ بیباب احبا کو رنج دینا کب روا ہے۔

(۳) اور یہ خیال کہ شاید ایذا نہ پائے۔ ہم کہتے ہیں شاید ایذا پائے۔ اگر ایسا ہی شاید پر عمل ہے تو اس کے مال وطعام کی حلت وطہارت میں شاید پر کون عمل نہیں کرتا۔

(۴) ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ فعل فرائض وترک محرمات کو رضا خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پرواہ نہ کرے (۲) اور اتیان مستحب وترک غیر اولی پر مدارات خلق ومراعات قلوب کو اہم جانتے اور فتنہ ونفرت ایذا ووحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔ اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے ترفع وتنزہ کے لیے خلاف وجدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ائتلاف وموانست کے معارض اور مراد محبوب شارع کے مناقض ہیں۔ ہاں ہاں ہوشیار وگوش دار کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ وحکمت جلیلہ وکوچہ سلامت وجادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک واہل تقشف غافل وجاہل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت ومقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں۔ خبردار ومحکم گیر یہ چند سطروں میں علم عزیز وباللہ التوفیق والیہ المصیر۔

(۵) ہرگز بنام ورع واحتیاط مسلمانوں کی نفرت ووحشت ان کی رسوائی وفضیحت یا تجسس عیوب ومعصیت کا باعث نہ ہو کہ یہ سب امور ناجائز ہیں۔ شکوک وشبہات میں ورع نہ برتنا ناجائز نہیں عجب کہ امر جائز سے بچنے کے لیے چند ناروا باتوں کا ارتکاب کرے یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے۔ کہ اسے محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط کر دیا۔ اے عزیز مدارات خلق والفت وموانست اہم امور سے ہے۔ فتاوی رضویہ جلد دوم ص: ۱۲۴۔ ۱۲۷

....

یہ بھی ہے کہ کسی کے کلام وتحریر کو سن کر پڑھ کر۔ فاسد۔ باطل۔ معنی لیا جائے۔ اور اسے بدنام کیا جائے باوجودیکہ اس کے دوسرے صحیح معنی موجود ہوں۔ اور مسلمان کا حال ان کے موافق نہ ہو یہ بھی بدگمانی میں داخل ہے۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالی کے ساتھ بدگمانی کرنا اور مومن کے ساتھ برا گمان کرنا حرام ہے۔ اور لا تجسسوا کے ماتحت تحریر فرمایا۔ مسلمانوں کی عیب جوئی نہ کرو۔ ان کے چھپے حل کی تحقیق وجستجو وتجسس میں نہ رہو۔ جسے اللہ تعالی نے اپنی ستاری سے چھپایا ہے از خزائن العرفان ملخصا)

اور حضور سید عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا۔

ایاکم وَ الظن فان الظن اکذب الحدیث وَ لا تجسسوا وَ لا تحسواء و تحاسدوا و لا تدا

بروا. ولا تباغ غضوا۔(بخاری کتاب الادب)

ترجمہ: بدگمانی سے بچو۔ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ۔ نہ باہم حسد کرو۔ نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو نہ باہم بغض رکھو بلکہ اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔

دیکھیے ہادی عالم ﷺ نے بدظنی۔ بدگمانی۔ لوگوں کے پوشیدہ عیوب کی ٹوہ لگاتے حسد اور غیبت سے منع فرمایا۔ حتی کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

شب معراج میرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ اور وہ ان سے اپنے چہرہ اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبریئل امین سے ان کے متعلق پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں انھوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے ان کی عزت وآبرو لیتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی پیٹھ پیچھے برائی کی جائے۔ مسلمانوں کی عیب جوئی اور اس کی تحقیق وتفتیش بھی غیبت ہے بلکہ غیبت کی تعریف میں عدم موجودگی اس کا ضروری جز نہیں ہے۔

حضور سرور انبیاء ﷺ سے پوچھا گیا غیبت کسے کہتے ہیں۔ فرمایا تمھارا اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرے۔ عرض کیا گیا اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں تو؟ حضور نے فرمایا اگر وہ عیب اس میں موجود ہے تو تم نے اصلی غیبت کی اور اگر نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کرنا غیبت کی تعریف کا ضروری جز نہیں ہے البتہ اہل لغت کے نزدیک جو عیب عدم موجودگی میں سارا کیا جائے غیبت ہے اور جو سامنے بیان کئے جائیں یہ سب دشنم ہے۔ بہر حال ممنوع کو ایحبُّ اَحَد کم ان یاکل لحم اخیه میتاً۔ سے بیان کیا گیا کہ لوگ شدت غم میں بھائی کی مردہ لاش دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے حتیٰ کہ بحالت اضطرار بھی اگر بکری یا سور کا مردار گوشت مل جائے۔ تو کوئی انسان ان کا گوشت کھانا پسند نہیں کرے گا۔ تو جو شخص اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاتا ہے وہ کس قدر سنگدل اور شقی القلب قرار پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جرم غیبت کی عالم برزخ میں یہ سزا مقرر کی گئی کہ خود اپنا گوشت نوچتے رہیں۔ حتی کہ ایک بار سخت بدبو پھیلی تو حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں۔ (ادب المفرد باب الغیبۃ)

اس کے ساتھ یہ نکتہ بھی یادرکھیں کہ معاملات میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں جہاں تخصیص کی ضرورت ہوتی ہے۔

کسی کی برائی بیان نہ کرنا اخلاقاً اچھی بات ہے لیکن خود اخلاق کا تقاضا یہ بھی ہے واقعی برائیوں کو جو ظاہر ہوں بیان کیا جائے تاکہ لوگوں کو اس پر تنبیہہ ہو۔ اگر یک قلم روک دیا جائے تو اصلاح حال اور برائی کی روک تھام کی کوئی صورت نہ ہو سکے گی۔ قرآن نے بدمذہبوں بے دینوں کا نام لے کر ان کی برائی بیان فرمائی ہے کہ ان کی برائیاں عالم آشکارا تھیں اسی طرح جو برائی علانیہ کی جائے ان میں بعض اوقات کسی مرد خاص کو نشانہ نہ بنایا جاتا ہے۔ تو یہ اور اسی کیفیت و نوعیت کی دوسری صورتیں دراصل غیبت میں شامل نہیں جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے لیکن تصویر کے اس رخ کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے قرآن مجید اور احادیث رسول میں کافروں مشرکوں۔ فاسقوں کی علانیہ برائیاں بیان کی گئی ہیں۔ مگر سوائے چند خاص حالتوں کے کسی کا نام نہیں لیا گیا۔ بلکہ عموم کے ساتھ پردہ میں یا صیغہ مجہول کے ساتھ یا وصف کے ساتھ یوں کہا گیا ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ کفر کرتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے۔ تو یہ طریقہ تعبیر بہر حال اور شارع علیہ السلام کو مطلوب و محمود ضرور ہے کہ انداز ادا عمومی ہونا چاہیے کیونکہ مقصود تبلیغ و نصیحت یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسی کو بدنام کیا جائے اور اس کی بے عزتی کی جائے۔ غلو و تشدد کر کے اسے مشتعل کیا جائے اور ضد و کد پیدا کی جائے۔ بلکہ مقصود وعظ و نصیحت اس کی اصلاح و تزکیہ ہے دوسروں کے ذاتی معائب کی تحقیق و تفتیش اور ٹوہ لگانا یہ بالکل ایک علیحدہ ہے اور رزائل اخلاق میں سے نہایت قبیح خصلت ہے حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں۔

تتبعوا عوراتهم فانه من تتبع عوراة اخيه تتبع الله عوراته يفضحه ولو كان في جوف بليته۔ (حدیقہ)

ترجمہ: لوگوں کے پوشیدہ امور کا تتبع و تجسس نہ کرو جو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے امور پوشیدہ کا تتبع فرمائے گا اور لوگوں میں ایسا شخص بے عزت ہوگا۔ اگرچہ مکانٗ کے گوشتہ میں چھپ رہے۔

مَن سَتَرَ علیٰ مُسلم ستر اللّٰهُ فی الدُّنیا وَالاٰخِرة۔ (حدیقۃ الندیہ) ترجمہ: جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی

کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے محض ایک مسئلہ شرعی کی وضاحت اور عوام تک حدود نصیحت و انداز تبلیغ کی شرعی حیثیت کو پہچانا ہے جو مسلمان بھائی کتاب و سنت کی ان ہدایات کو مطالعہ میں لائیں۔ وہ اپنے لیے بھی اور خصوصی طور پر راقم الحروف کے لیے ان ہدایات پر عمل کرنے اور عملی طور پر قبول کرنے کی بارگاہ الٰہی سے توفیق مانگیں۔

☆☆☆☆☆☆

المباح والمحظور

عقیدہ شفاعت: جناب مولانا صاحب! جب قرآن نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو مصیبت آتی ہے وہ تمھاری کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ مکافات عمل سے غافل مت رہو۔ تو پھر معافی اور شفاعت کا تصور کیا معنی؟ براہ کرم اس سوال کا جواب تسلی بخش دیں (نصیر الدین۔ حیدر آباد)

الجواب: تسلی بخش جواب تو قیامت کے دن ہی ملے گا۔ جزا و سزا، معافی و شفاعت کا عقیدہ حق ہے۔ لیکن مکافات عمل کا جو انداز آپ نے پیش کیا وہ اسلامی نہیں ہے۔ ہندوؤں اور عیسائیوں میں بھی یہ تصور پایا جاتا ہے کہ گناہ ہو جانے کے بعد تلافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ چنانچہ ہنود نے انسانی روح کو آواگون کے لامتناحی چکر میں پھنسا کر اصلاح سے مایوس کر دیا اور عیسائیوں نے کفار کا عقیدہ ایجاد کر کے ایک ایسا راستہ کھول دیا جس سے اصلاح و تلافی کا جذبہ ہی ختم ہو جائے حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بہت سے مجرم اور ظالم ظلم کی راہ پر اسی لیے آگے بڑھتے جاتے ہیں کہ سابقہ گناہوں کے چکر سے نجات پانے کی امید کھو بیٹھتے ہیں اور معاشرہ میں بھی انہیں یہ احساس دلا کر ہمیشہ کے لیے دھتکار دیتا ہے اور عدم تلافی کا یہ تصور جرم و ظلم کی راہ پر اور بھی زیادہ تیزی سے دوڑانے کا موجب بن جاتا ہے۔ خود عربوں میں قبل اسلام یہ ہی تصور کار فرما تھا۔ گناہ و معصیت میں ڈوبے ہوئے طبقے تلافی اور مغفرت سے مایوس تھے ان میں بعض ایسے تھے جنھوں نے کثرت سے بے گناہوں کو قتل کیا تھا اور غریب و بے کس عورتوں کے سہاگ لوٹے تھے۔ ان کے سامنے تلافی کی کوئی شعاع امید نہ تھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ایسے کئی شخص آتے اور حیرانی کے ساتھ سوال کرتے کیا ہماری بھی مغفرت ممکن ہے؟ کیا ان بے پناہ سرکشیوں اور نافرمانیوں کے بعد بھی ہماری بخشش ہو سکتی ہے؟

قرآن نے ایسے لوگوں کے سوال کے جواب میں حضور سرور کائنات کی زبان مبارک سے اعلان کرایا۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الذی اسرفوا عَلیٰ انفسھم لا تقنطوا من رَّحمة اللہ اِنَّ اللہ یغفِرُ الذُّنُوبَ جمیعًا اِنَّہٗ ھوا لغفور الرحیم (زمر)

ترجمہ: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ اللہ

سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا رحمت کرنے والا ہے۔ اپنے رب کے سامنے جھک جاؤ اور سر اطاعت خم کر دو، اس سے قبل کہ تم پر عذاب آئے۔

سبحان اللہ! دربار خداوندی میں تو سوال کی ضرورت ہے، اور عجز و نیاز کی۔ رب سے سوال کرو، توبہ کرو، معافی مانگو، اور آئندہ کے لیے گناہوں سے بچنے کا سچا وعدہ کرو۔ وہ غفور الرحیم اپنے سیاہ کار بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اگر گناہوں سے توبہ کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے ہو تو پھر بھی اس کی رحمت سے ناامید مت ہونا، وہ اگر قہار ہے تو ستار بھی ہے، وہ اگر جبار ہے تو رحمٰن و رحیم بھی ہے وہ چاہے خود ہی تمھاری مغفرت فرمادے اور چاہے تو اپنے مقرب بندوں سے تمھارے لیے سفارش کرائے اور پھر ان کی سفارش سے تمھاری معافی ہو جائے۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ۔ (توبہ)

ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

وَمَنْ یَعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نفسہ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہُ یجد اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔

ترجمہ: جو کوئی برا کام کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا پائے گا۔

بہر حال قرآن سے تو یہ بات واضح ہے کہ جرم خواہ کسی نوعیت کا ہو اگر آدمی نادم ہو تو بہ کرے تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے اب جو شخص قرآن کی واضح بات کو تسلیم نہ کرے تو یہ اس کی مرضی ہے۔ اسی طرح شفاعت بھی معافی کا ایک طریقہ ہے...... رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں کی بخشش کا یہ طریقہ (شفاعت) کیوں اختیار فرمایا؟ تو اول تو یہ اعتراض ہی باطل محض ہے۔ جب آپ خدا کو مانتے ہیں تو اس کے افعال پر اعتراض کیوں؟ اللہ عزوجل نے بچہ کی پیدائش کے لیے عورت و مرد کو وسیلہ قرار دیا۔ حالانکہ وہ اس کے بغیر بھی پیدا کر سکتا تھا۔ انبیاء کے ذریعہ وہ مخلوق کی ہدایت فرماتا ہے، مگر انبیاء کے بغیر بھی راہنمائی فرما سکتا تھا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے بچہ کی پیدائش کے لیے عورت و مرد کو وسیلہ قرار دیا حالانکہ وہ اس کے بغیر بھی پیدا کر سکتا تھا انبیاء کے ذریعے وہ مخلوق کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو وسیلہ بنایا اور اپنے ارادہ اور مرضی سے بنایا، اسی طرح اس نے مجرموں کی بخشش کے لیے شفاعت کا قانون بنا دیا۔ ہاں حکیم کے افعال حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔ خدا حکم ہے اس کے ہر فعل میں حکمت ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ حکیم کے ہر فعل کی حکمت بھی ہمیں معلوم ہو جائے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خدا خود یا اپنے رسولوں کے ذریعہ سے اپنے کسی فعل کی حکمت کو بیان فرما دیتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بندے خود اپنی فہم و بصیرت کی روشنی میں اس کے افعال کی حکمتوں کو

تلاش کرتے ہیں اور بیان کردیتے ہیں۔ مگر بندے خدا کے افعال کی جو بھی حکمتیں بیان کریں گے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہی حکمت خدا کے ہاں بھی ہو۔ شفاعت میں یہ حکمت ہو سکتی ہے کہ اس میں مقربان بارگاہ کی عزت افزائی ہے۔ ان کے تقرب اور مراتب کا اظہار ہے کہ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی اطاعت کی۔ اللہ نے ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ ان کی سفارش مجرموں کے حق میں قبول کی...... مجرموں پر اس امر کا اظہار ہے اور عملی اظہار ہے کہ تم مجرم تھے تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ مگر دیکھو تمھارا رب کیسا رحیم ہے، وہ تم پر رحم فرما رہا ہے اور تمھاری لغزشوں کو معاف کر رہا ہے۔ اس نوع کی صدہا حکمتیں مسئلہ شفاعت میں موجود ہیں۔ الغرض شفاعت کا عقیدہ حق ہے۔ قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے۔

قرآن عزیز کی آیات طیبہ میں اختلاف و تضاد ناممکن ہے لہذا شفاعت کے بارے میں بھی اس کی آیات کریمہ میں کامل یگانگت و ہم آہنگی ہے، جن آیات کریمہ میں شفاعت کی نفی فرمائی گئی ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ کافروں اور مشرکوں کے لیے شفاعت کی نفی فرمائی گئی ہے ان کا مطب یہی ہے کہ کافروں اور مشرکوں کے لیے شفاعت نہیں۔ کفار و مشرکین کہا کرتے تھے کہ ہم بتوں کو اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں بحضور رب العلمین مقاب قرب و رضا تک پہنچائیں گے۔ مَا نَعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيَقَرِ بُوْنَا اِلَى اللهِ زُلْفىٰ۔ (زمر۳)

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس خیال کی تردید کے لیے فرمایا:۔

مَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّ لَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ۔ (المومن ۱۸)

(روز قیامت) ظالموں (کافروں اور مشرکوں) کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی سفارش مانی جائے...... اور کافر خود بھی قیامت کے دن اپنی اور اپنے بتوں کی بے بسی کا (اور ساتھ ہی اپنی گمراہی اور ضلالت کا) کھلے بندوں اعتراف کریں گے اور کہیں گے:

فَمَالَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ. وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ. فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء ۱۰۰۔۱۰۲)

ترجمہ:۔ (آج) ہمارے لیے نہ کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی ہمدرد و غم گسار دوست۔ ہمارے لیے اگر دنیا میں واپسی کا موقع ہوتا تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہوتے۔

یہ وہ آیات ہیں جن میں اس امر کا بیان ہے کہ کافروں اور مشرکوں کا کوئی شفیع نہ ہوگا۔ اور یہ کہ بر شفاعت نہیں کر سکتے۔ اور ذیل کی آیات میں مقبولان بارگاہ کے لیے شفاعت کا اثبات ہے۔

مَا مِنْ شَفِیعٍ اِلاَّ مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ (یونس پ ۱۱۔ رکوع ۱)

کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی (اللہ کی) اجازت کے بعد۔

وَلا تَنفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنْدَہٗ اِلاَّ لِمَنْ اَذِنَ لَہٗ (سباپ ۲۲ رکوع ۳) یَوْمَئِذٍ لا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلاَّ مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلاً (طٰہٰ پ ۱۶ رکوع ۶)

ترجمہ: اس کے حضور شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اجازت عطا فرمائے۔ قیامت کے دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی۔ مگر اس کی جسے رحمٰن نے اجازت دے دی اور اس کی بات پسند فرمائی۔

اس خصوص میں ہمارے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان تو نرالی اور نہایت ہی اجل واحسن اکرم واعظم ہے۔ وسعتیں دی ہیں خدا نے دامن محبوب کو۔ آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے۔

اور خاص حضور علیہ السلام کے متعلق: حضور علیہ السلام کے متعلق خاص مندرجہ ذیل آیات وحدیث میں یہ تصریحات جمیلہ مسلمانوں کے لیے باعث سکون قلب ہیں۔

۱. وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (والضحیٰ۔ پ ۳۰۔ رکوع ۱)

ترجمہ: بے شک قریب ہے آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

۲. واستَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُومِنِیْنَ وَالْمُومِنَاتِ (محمد پ ۲۶ رکوع ۲)

ترجمہ: اے محبوب اپنے خاص اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کی شفاعت کیجیے۔

۳. عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

قریب ہے آپ کا رب آپ کو ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب آپ کی حمد کریں۔

۴. شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ (مسند احمد۔ ابوداود۔ ترمذی)

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

۵. شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حَقٌّ ‘‘ فَمَنْ لَّمْ یُوْمِنْ بِھَا لَمْ یَکُنْ مِنْ اَھْلِھَا (جامع صغیر ج ۲ ص ۳۳)

ترجمہ: حضور نے فرمایا روز قیامت میری شفاعت حق ہے۔ جو اس پر ایمان نہ لایا وہ شفاعت کا اہل نہیں۔

اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیّٖنَ وَ خَطِیْبُھُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِھِمْ غَیْرَ فَخْرٍ (ترمذی۔

ابن ماجہ۔احمد)

ترجمہ:۔حضور نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا میں انبیاء کا امام اور خطیب اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔اے محمد کیا تم راضی ہو گئے۔میں عرض کروں گا، اے رب میں راضی ہو گیا۔

۸۔حضور فرماتے ہیں بروز قیامت شفاعت امت کے لیے بحضور رب سجدہ کروں گا۔تو میرا رب فرمائے گا۔ اے محمد اپنا سر اٹھاؤ۔کہو، تمھاری بات سنی جائے گی۔اور مانگو تمھیں عطا کیا جائے گا۔

يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاسَکَ وَ قُلْ تَسْمَعْ وَسَلْ تعطه وَاشْفِعْ تَشَفعَ فَاقُوْلُ يَارَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ۔

اور شفاعت کرو تمھاری شفاعت قبول کی جائے گی تو میں عرض کروں گا الٰہی میری امت کی مغفرت فرما۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا کہ ان کی شان محبوب دکھائی جانے والی ہے۔

علامہ صاوی تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں:۔

فَمَنْ زعم اِنَّ النَّبی کَاَحِدِ النَّاسِ لَایَمْلِکُ شَیْئًا اَصلاً وَلَا یَنْفَعُ بِہٖ ظَاھِرًا وَلا باطنا فھو کافر خاسر الدُّنیا وَالأخرہ۔(صاوی ص ۱۵۸۔ج ۱)

جس نے یہ گمان کیا کہ نبی ﷺ اور لوگوں کی طرح ہیں کسی چیز کے مالک نہیں نہ ان سے نفع پہنچتا ہے نہ ظاہر طور نہ باطن طور پر تو وہ کافر ہے اس کی دنیا و آخرت برباد ہے۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:۔

شَفَاعَةِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ الصَّلاۃِ وَالسَّلَامَ حَقٌ" وَ شَفَاعَةُ بنینا عَلَیْہِ الصَّلاۃِ وَالسَّلَامِ للمومنِیْنَ وَلِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْھُمْ الْمُسْتَوْجِبِیْنَ الْعِقَابَ حَقٌ" ثَابِت"۔(فقہ اکبر ص ۳)

ترجمہ: حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شفاعت حق ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت گنہگار مسلمانوں اور بڑے گناہ والوں کے لیے جو مستحق عقاب ہوں، حق اور ثابت ہے۔

انگریزی بال: کہا جاتا ہے کہ آپ انگریزی بالوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔حالانکہ بخاری شریف میں حدیث آئی ہے حضور نے قزع سے منع فرمایا ہے۔(محمد شریف سرگودھا)

الجواب: کہا جاتا ہے کہ گوجرانوالہ کا ایک غالی سور کا گوشت کھاتا ہے تو جناب خود ہی انصاف کریں کہا جاتا ہے سنا

جاتا ہے پر یقین کرنا شرعاً جائز ہے؟ رہی قزع کی بات تو بے شک حضور علیہ السلام نے قزع سے منع فرمایا ہے اور اس ممانعت کا نہ رضوی منکر ہے اور نہ کوئی اور مسلمان انکار کر سکتا ہے؟ اس سلسلہ کی حدیث یہ ہے:

١ . عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن القزع (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے قزع سے منع فرمایا۔

٢ . ولکن القزع ان تیرک بنا صیۃ شعر ولیس فی راسہ غیرہ (بخاری)

ترجمہ: بخاری شریف ہی میں قزع کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ صرف پیشانی پر بال چھوڑ دیئے جائیں اور باقی سر کے حصص پر بال نہ رہیں۔

٣۔ حضرت شیخ نور الحق شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے نے تیسر القاری شرح بخاری میں قزع کی تعریف یوں کی ہے:۔

لیکن قزع این است کہ گذاشتہ شود بناصیہ او موئے و حال آنکہ نیست درسر او موی غیر ایں موی

لیکن قزع کے معنی یہ ہیں کہ صرف پیشانی پر بال چھوڑ دیئے جائیں دراں حالیکہ سوائے پیشانی کے بالوں کے اس کے سر میں اور بالوں کا نام ونشان نہ ہو۔

٤۔ اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ نے بہار شریعت ج ١٦ ص ١٩٩ پر قزع کی تعریف یوں کی ہے اور حدیث میں جو قزع کی ممانعت آئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ متعدد جگہ سر کے بال مونڈنا اور جگہ جگہ باقی چھوڑنا جس کو گل بنانا کہتے ہیں (یہ منع ہے)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے: ویکرہ القزع وھوان یحلق البعض ویترک البعض قطعا مقدار ثلاثۃ اصابع کذافی الغرائب۔ عالمگیری ص ٣٥٧

علامہ عینی و دیگر شارحین حدیث نے فرمایا کہ جو تعریف راوی حدیث نے کی یعنی (ص ٢) وہ سب سے زیادہ صحیح و درست ہے۔ بہر حال رضوی نے نہ انگریزی بالوں کو حرام قرار دیا اور نہ مباح بلکہ صرف یہ کہا۔ قزع کی ممانعت والی حدیث کو انگریزی بالوں کی حرمت کی دلیل بنانا درست نہیں ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے اور اکابر علماء اہل سنت کی تصریحات و شارحین حدیث کی تحریرات سے بھی یہ ہی واضح ہے۔ رہا بعض افراد کا غلط اور عقل شکن پروپیگنڈا سے

رضوی کی مرعوب کرنا.....تو رضوی کو اللہ کے فضل سے اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے جو بات حق وثابت ہے وہی کہی جائے گی۔

حسبی اللہ نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

بے وضو کا ذبیحہ: کیا بے وضو شخص ذبح کرے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟ ہم نے سنا ہے بے وضو کا ذبح کیا ہوا جانور نہیں کھانا چاہیے۔(نور حسین کامونکی)

الجواب: محض سنی سنائی بات کی کوئی حیثیت شرعی نہیں۔عوام تو عوام بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے مولوی صاحبان بھی سنی سنائی بات کو شریعت قرار دینے لگ گئے ہیں۔حالانکہ مسئلہ شرعی صرف وہ ہے جو دلائل شرعیہ سے ثابت وواضح ہو۔بے وضو کا ذبیحہ جائز ودرست ہے۔طہارت شرط ذبح نہیں۔حتیٰ کہ جب کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی درست ہے۔بلکہ وہ جن کا غسل فی الواقع کبھی نہیں اترتا۔یعنی کافران کتابی۔ان کے ہاتھ کا ذبیحہ سب کتابوں بلکہ خود قرآن کریم نے حلال فرمایا ہے:

طعام الذین اوتو الکتب حل لکم ۔کتابیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ تمھارے لیے حلال ہے(اور کفار کا کبھی غسل نہیں اترتا کہ وہ غسل کے فرائض ادا نہیں کرتے)ہاں یہ اور بات ہے کہ بحال جنابت بلا ضرورت ذبح نہ چاہیے کہ ذبح عبادت الٰہی ہے جس سے خاص اس کی تعظیم چاہی جاتی ہے پھر اس میں تسمیہ وتکبیر ذکر الٰہی ہے تو بعد طہارت اولیٰ ہے۔اگرچہ ممانعت اب بھی نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: **لایکرہ النظر الی القرآن الجنب کما لا تکرہ ادعیۃ ای تحریما و الا فالو ضوء للمطلق الذکر مندوب" و ترکہ خلاف الاولیٰ۔**

ترجمہ:جنب کو قرآن مجید پر نگاہ کرنا مکروہ نہیں۔جیسے دعائیں پڑھنا مکروہ نہیں۔یعنی مکروہ تحریمی وناجائز نہیں ورنہ وضو تو ہر ذکر کے لیے مستحب ہے۔اور اس کا ترک خلاف اولیٰ۔مختصر یہ کہ باوضو ذبح کرنا ظاہر ہے کہ باعث برکت ہے۔مگر بایں ہمہ ذبح کے لیے طہارت شرط نہیں۔اس لیے بے وضو کا ذبیحہ حلال ومباح ہے۔

تین طلاق ہرگز نہ دیجئے۔اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے: طلاق ایک نہایت ہی ناپسندیدہ فعل ہے اور بلا وجہ شرعی طلاق دینا بھی گناہ ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔تمام حلال چیزوں میں خدا کے

نزدیک زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے (ابوداؤد) اللہ تعالٰی نے روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ طلاق دراصل نہایت اشد ضرورت کے وقت استعمال کرنے کی چیز تھی جس کو عوام نے اب بلاضرورت استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔ بیوی سے ذرا مزاج کے خلاف کوئی بات ہوگئی یا کھانے میں نمک زیادہ ہوگیا یا ہنسی مذاق میں بیوی غالب آگئی، یا بیوی کے خاندان کے افراد نے کوئی بات کہہ دی تو خاوند صاحب جھٹ لال پیلے ہوگئے اور طلاق کا وار کردیا۔ عوام کا اس بے باکی سے طلاق کو استعمال کرنا قابل مذمت ہے۔ اس سلسلہ میں چند ضروری اور فائدہ مند باتیں یہ ہیں:

۱۔ طلاق دینے میں جلدی نہ کی جائے۔ فریقین میں مصالحت کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور دونوں فریق کے عزیز واقرباو بزرگان خاندان اس فرض کو ادا کریں۔ پھر اگر صلح کی کوئی تدبیر کام ہی نہ دے تو پھر سوچ سمجھ کر اشد ضرورت کے وقت طلاق کو استعمال کیا جائے۔

۲۔ ظاہر ہے کہ طلاق کوئی تفریح یا لذت کی چیز نہیں۔ جو شخص بھی طلاق دیتا ہے وہ مجبور ہوکر بادل نخواستہ ہی دیتا ہے۔ لیکن عموماً ایسا ہوتا ہے کہ طلاق دینے کے بعد خاوند کو افسوس ہوتا ہے اور فریقین میں صلح وآشتی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ تیر زہ سے نکل چکتا ہے اس لیے دونوں کو پچھتانا پڑتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے فریقین طلاق کے قانون اور اس کے اثرات سے عموماً ناواقف ہوتے ہیں وہ غصہ میں آکر طلاق دے دیتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اس کے اثرات کیا مرتب ہوں گے۔ اس لیے عوام کا یہ فرض ہے کہ ہر موقع پر طلاق دینے سے پہلے علماء سے مشورہ کرلیا کریں اور اشٹام فروش کی دوکان پر جانے سے پہلے کسی عالم سے طلاق اور اس کے اثرات کو ضرور معلوم کرلیا کریں۔

۳۔ طلاق دینے کی اگر ضرورت پڑ جائے تو صرف ایک یا دو طلاق دیجئے۔ تین طلاق ہرگز ہرگز نہ دیجئے۔ اشٹام فروش سے طلاق نامہ لکھوانا ہو تو اس کو ہدایت کیجئے کہ وہ صرف ایک یا دو طلاق لکھے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر بعد میں فریقین میں مصالحت کی کوئی شکل پیدا ہو جائے تو اسکی گنجائش باقی رہتی ہے۔ یعنی اگر زید نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دیں تو اب زید کو عدت کے اندر اندر رجوع کرنے کا اختیار ہے یعنی زبان سے یہ کہے کہ رجوع کرتا ہوں یا فعل سے رجوع کرے۔ اس صورت میں نکاح ثانی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

اور اگر عدت گزر گئی ہے تو اب عورت کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کیا جا سکتا ہے لیکن اگر تین طلاق دے دی گئی ہیں تو اب شوہر کو نہ رجوع کرنے کی اجازت ہے اور نہ بغیر حلالہ نکاح ہوسکتا ہے۔ اب تو ہمیشہ کے لیے جدائی۔

جاتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر عوام مذکورہ بالا ہدایات پر عمل کریں تو ان کو بعد میں پچھتانے اور افسوس کرنے اور بہت سی الجھنوں سے نجات مل سکتی ہے۔

عدت کا بیان: (۱) جس عورت کو طلاق دی گئی۔ رجعی۔ بائن، یکدم تین طلاق دی گئیں، یا کسی طرح نکاح فسخ ہو گیا (تو ان صورتوں میں دخول ہو چکا یا خلوت ہوئی ہو) تو عدت پورے تین حیض ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔ واضح رہے کہ غیر مدخولہ کے لیے عدت نہیں ہے۔ یعنی جب شوہر طلاق دے دے تو وہ اس کے فوراً بعد کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے (۲) اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ قرآن مجید میں ہے اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ (۳) جس عرت کا شوہر مر گیا۔ اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے اور دسویں رات کا گزرنا ضروری ہے۔ موت کی عدت۔ عورت کو بہر صورت گزارنا ضروی ہے۔ خواہ نکاح کے بعد شوہر عورت کے بالکل قریب نہ گیا ہو۔ کیونکہ قرآن مجید نے مطلقاً عدت کو واجب قرار دیا ہے۔ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۔ (۴) اور جس عورت کو بوجہ نابالغی، یا عمر درازی یا بڑھاپہ حیض نہیں آتا، یا عمر کے حسابوں بالغ ہو چکی ہے، مگر ابھی حیض نہیں آیا تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ۔

فائدہ: طلاق کی عدت وقت طلاق سے ہے۔ اگر چہ عورت کو طلاق کا علم نہ ہو۔ حتی کہ اگر تین حیض گزر جانے کے بعد عورت کو طلاق کا علم ہوا تو عدت ختم ہو گئی۔ (جوہرہ)

مستورات کو باریک کپڑے پہننا: سوال: کیا مستورات کو باریک کپڑے کا استعمال جائز ہے؟ (محمد عبدالقوی جہلم)

الجواب: باریک کپڑے پہننا فی نفسہ جائز ہے۔

ممانعت کی وجہ بے پردگی و فحاشی ہے۔ اس کو یوں سمجھ لیجیے، مستورات کو بازار میں پھرنا یا چلنا جائز بھی ہے اور ناجائز بھی۔ اگر بے پردہ پھریں یا جائیں ممنوع ہے اور اگر ضرورت و حاجت کے لیے باپردہ جائیں تو جائز و مباح ہے۔ عورت اگر اپنے گھر میں اکیلی ہو، خواہ کیسے ہی باریک لباس میں ہو جائز ہے۔ صرف خاوند و بیوی گھر میں ہو اور بیوی خاوند کی خوشنودی کے لیے کیسا ہی باریک ملبوس استعمال کرے جائز ہے بلکہ خوشنودی شوہر کے لیے ایسا کرنے پر

اجر وثواب کی بھی امید ہے۔خاوند و بیوی دونوں غسلخانہ میں برہنہ نہائیں جائز ہے اور اگر مرد وعورت ایسی جگہ نہائیں جہاں بے پردگی ہونا جائز ہے۔حتیٰ کہ مستورات کو اپنے محارم (جن سے ان کا شرعاً پردہ نہیں) کے سامنے ایسا دوپٹا پہننا جس سے سر کے بالوں کی سیاہی نظر آئے جائز ہے۔البتہ بحالت نماز ایسا باریک کپڑا نہ پہنا جائے جس سے سر کے بالوں کی سیاہی نظر آئے۔

عالمگیری میں ہے۔

یرخص للمراءة. کشف الراس فی منزلها وحدها فاولیٰ ان یجوزلها لبس خمار رقیق. یصف ماتحته عند محارمها کذا فی القنیه (عالمگیری ج ۵)

ترجمہ: عورت کو اکیلی اپنے گھر میں ننگے سر رہنا جائز ہے تو اسی طرح ایسا باریک دوپٹہ پہننا جس سے سر کے بالوں کی سیاہی نظر آئے اپنے محارم (بھائی باپ وغیرہ) کے سامنے جائز ہے

الغرض جہاں وجہ ممانعت پائی جائے، ممنوع ہے، نہ پائی جائے جائز ہے۔جیسے

ا۔ مرد کو ایسے باریک کپڑے کی دھوتی استعمال کرنا جس سے ستر عورت نہ ہو سکے ممنوع ہے۔لیکن مرد کو اسی باریک کپڑے کا قمیض پہننا جائز ہے کہ اس صورت میں ستر عورت جو کہ ممانعت کی علت تھی موجود نہیں ہے۔

۲۔ عورت کا ماں، باپ، بھائی، دادا، نانا محارم کے سامنے ایسے باریک لباس میں رہنا جس سے بازو گریبان کا کچھ حصہ، ہاتھ پاؤں چہرہ کھلا رہے یا نظر آئے جائز ہے۔

۳۔ لیکن یہ ہی صورت غیر محارم کے لیے ہو تو ناجائز ہے۔

جس عورت سے نکاح کرنا چاہے اسے دیکھ سکتا ہے: الجواب: صرف دیکھ سکتا ہے چھو نہیں سکتا اور دیکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، جیسا کہ مغربی تہذیب وتمدن میں ہے کہ نکاح سے قبل ہی میل جول بلکہ تمام مراحل طے ہو جاتے ہیں۔بلکہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ چہرہ ہاتھ پاؤں کو آنکھوں سے دیکھ لے، شریفانہ انداز سے اور لڑکی کے متعلق معلومات حاصل کرلے کہ خاندان کیسا ہے؟ دوسروں کے ساتھ ان کے معاملات کس نوعیت کے ہیں۔آج کل حسب نسب اور عقیدہ و مذہب کو عموماً نہیں دیکھا جاتا۔اور مال و دولت وعہدہ کو دیکھا جاتا ہے۔حالانکہ تمام امور سے ضروری ولازمی چیز مذہب وعقیدہ ہے۔یعنی جس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کا سنی حنفی صحیح العقیدہ ہونا ضروری

ہے......(۱) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا، تم اس عورت کو دیکھ لو کہ:۔

اُنْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّ فِىْ اَعْيُنِ الْاَنْصَارِ شَيْئًا (احمد ونسائی)

ترجمہ: انصاری عورتوں کو آنکھوں میں کچھ (خرابی) ہوتی ہے۔

۲۔ محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے دل میں کسی عورت کے ساتھ نکاح کا خیال ڈال دے تو:۔

فَلَا بَاسَ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهَا. (احمد۔ابن ماجہ) اس کو جائز ہے کہ وہ اس کو دیکھ لے

روی و معمولی کپڑے پہننا ایمان سے ہے: جناب رضوی صاحب کیا یہ حدیث ہے اور کیا اچھے اور عمدہ کپڑے نہیں پہننا چاہئیں۔ اگر حدیث ہے تو اس کا مطلب کیا ہے اور اس سلسلہ میں اسلام کی ہدایات کیا ہیں۔ بعض علماء اسی حدیث کو پیش کر کے عمدہ و قیمتی لباس پر معترض ہوتے ہیں بلکہ ناراض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں سنت طریقہ کا لباس پہنا کرو۔ (تجمل حسین ایم اے کراچی)......الجواب: ایک شخص بحضور نبوی گھٹیا کپڑے پہن کر آئے۔ حضور نے فرمایا تو غریب ہے۔ عرض کی نہیں خدا کا دیا ہوا ہر قسم کا مال موجود ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا، خدا نے تمھیں مال دیا ہے تو اس کی نعمت و کرامت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے۔ (احمد ونسائی)

نیز نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

۱. ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اس کی نعمتوں کے آثار کو واضح و ظاہر کرے (ترمذی)

۲۔ اور اسی کے مقابل یہ بھی حضور نے فرمایا۔ روی حالت میں رہنا ایمان سے ہے (ابوداؤد)

۳۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص شہرت کا کپڑا پہنے:۔

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِى الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ابوداؤد)

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کے کپڑے پہنائے گا۔

۴۔ یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

كلوا والشربوا والبسو وتصدقوا في غير اسراف ولا مخيلة۔

ترجمہ: کھاؤ پیو پہنو اور صدقہ دو بغیر اسراف وتکبر کے (بخاری) ج ۲ ص ۸۶۰

۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:۔

والبس ماشئتَ ما اَخطاتکَ اثنتان سَرَف" و مخیلة"۔

ترجمہ: جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو اسراف وتکبر سے بچو (بخاری) ج ۲ ص ۸۶۰

حدیث نمبر ۱ میں کنجوسی بخیلی سے بچنے کی ہدایت بھی ہے اور یہ بھی کہ جسے اللہ نے دیا ہے وہ عمدہ ونفیس کپڑے پہنتا ہے، جائز ہے اور اپنے رب کے شکریہ اور اس کی نعمتوں کے اظہار کی نیت بھی کر لیتا ہے تو ثواب بھی پائے گا۔ مطلب یہ کہ اسلام میں زیب وزینت کی ممانعت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۲ میں اس امر کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص زہد اور دنیا سے بے رغبتی کی نیت سے معمولی کپڑے استعمال کرتا ہے تو بھی درست ہے۔ نیت کا ثواب پائے گا۔ اور یہ کہ کوئی غریب ہے عمدہ قیمتی ملبوسات پہننے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اسے امراء کے سامنے اپنے کو ذلیل نہیں سمجھنا چاہیے۔ جس حال میں اللہ نے اسے رکھا ہے اور اس پر بھی وہ اپنے رب کا شکر گزار ہے تو یہ معمولی وردی کپڑے اس کے مومن ہونے کی علامت ہیں اور بارگاہ الٰہی میں روی وعمدہ کپڑوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کے دربار میں تو تقویٰ وطہارت باعث اعزاز واجر ہے۔ حدیث نمبر ۳ میں یہ ہدایت ہے۔ اچھا کھاؤ، اچھا پہنو، اچھا پیو۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں بھی کچھ دے دیا کرو۔ کہ صدقہ بلاؤں کو رد کرتا ہے اور یہ کہ صدقہ خیرات بھی دیا کرو۔ اور غریبوں کو یاد رکھا کرو۔ اپنے عیش وآرام میں اللہ ورسول اور اس کے بندوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا کرو۔ اثر نمبر ۵ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے من وعن حضور ﷺ ہی کی ہدایات کو بیان فرمایا ہے کہ جو چاہو کھاؤ پیو، پہنو۔ مگر خبردار تکبر اور غرور سے بچو۔ اچھے اور عمدہ لباس پہن کر اپنے سے کم تر مسلمان کو ذلیل سمجھنے کا کیڑا کسی قیمت میں بھی اپنے دماغ میں نہ پیدا ہونے دو۔ کہ تکبر کا کیڑا جب بھی کسی دماغ میں پیدا ہوگا تو متکبر کو نہ صرف اجر وثواب سے محروم کر دے گا۔ بلکہ از راہ تکبر عمدہ وقیمتی کپڑوں کو پہننے کو ممنوع قرار دے دے گا۔ چنانچہ حدیث نمبر ۳ میں ہادی عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت دی کہ لباس شہرۃ ممنوع ہے اس سے مراد ہر وہ لباس ہے جو از راہ تکبر وغرور پہنا جائے۔ اسی طرح اسراف سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی کہ فضول خرچ رہے ہیں کو بہر حال ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شارحین حدیث نے فرمایا:۔

جائے تو ایسی صورت میں احکام شرعیہ کے درجات۔ افضل، مستحب، سنت، سنت مؤکدہ، واجب، فرض، مکروہ تنزیہہ، مکروہ تحریمہ حرام اور حرام قطعی کے فقہی مراتب تو صرف کتابی باتیں رہ جائیں گی۔ عملی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہ رہے گا، پس حق یہ ہے احکام شرعیہ کے جو درجات ہیں ان کو منظر عام پر لانا ضروری ولازمی ہے۔ اس موقع پر ایک معمولی سی مثال پیش کر دوں کہ فقہاء اسلام نے احکام شرعیہ کے حدود وکیفیت ودرجات کو بیان کرنے کی کیسی کچھ سعی فرمائی ہے۔ اکثر کتب فقہ میں لکھا ہے کہ پسینہ پونچھنے یا ناک صاف کرنے کے لیے رومال رکھنا مکروہ ہے۔ جب فقہاء مکروہ کا لفظ بولتے ہیں تو عموماً اس سے تحریمی مراد ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ بالا رومال رکھنا مکروہ تحریمہ اور گناہ ہے۔ یہ ہی سوال اس مسئلہ کو سن کر ہر قلب مومن میں پیدا ہو سکتا تھا کہ کیا واقعی رومال رکھنا گناہ ہے تو فقہاء کرام نے اس کی وضاحت فرمائی کہ مکروہ تحریمہ اس صورت میں ہے جبکہ از راہ تکبر وغرور رومال رکھا جائے بلکہ فقہاء اسلام نے اس معاملہ میں ایک اصولی وبنیادی بات کہ دی۔ وَ حاصِلہ اکل " ما فَعَل عَلیٰ وجھه التکبر یکرہ وَمَا کَانَ للحاجَۃِ لایکرہ (خلاصہ الفتاویٰ ص ۳۷۱) حاصل بحث یہ ہے جو کام بہ نیت تکبر کیا جائے وہ مکروہ ہے اور جو حاجت و ضرورت کے لیے کیا جائے، مکروہ نہیں۔

اسی طرح اعلیٰحضرت بریلوی سے سوال ہوا کہ ٹخنوں سے نیچا ازار و پاجامہ رکھنے والے کی نماز کا کیا حکم ہے۔ جواب میں فرمایا ازار کا گٹوں سے نیچا رکھنا اگر براہ تکبر ہو حرام ہے اور اس صورت میں نماز بھی مکروہ تحریمی۔ ورنہ صرف مکروہ تنزیہی۔ اور نماز میں بھی اس کی غایت خلاف اولیٰ (فتاویٰ رضویہ جلد ۳ ص ۴۴۸) اور یار لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تکبر وعدم تکبر کی قید کو عوام سے چھپایا جائے۔ ورنہ مسلمانوں میں مذہبی سہولت پسندی پیدا ہو جائے گی۔ لیکن سوال یہ ہے جب خود شارع علیہ السلام نے اس معاملہ میں سہولت دی ہے تو آپ کون ہیں اس کو تشدد وسختی میں بدلنے والے۔ کیا معاذ اللہ آپ حضور علیہ السلام سے بھی زیادہ احتیاط وتقویٰ کو سمجھتے ہیں۔

سنت رسول: یہ تو چند باتیں تذکرۃً ہو گئیں۔ اب سن لیجئے کہ جہاں تک سنت رسول کا تعلق ہے تو حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہر فعل ہر عمل ہر طریقہ حضور ﷺ کی سیرت و کردار سب بلاشبہ روشنی کا مینار ہے۔ اور قوم مسلم کی دینی ودنیوی سعادت اسی میں ہے کہ ادا محبوب رب العلمین کو اپنائے۔ مثلاً لباس کو لیجئے تو ایسی وضع قطع کا لباس جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ومرغوب تھا، گو کہ مسلمانوں کے لیے اسی وضع قطع کے لباس کو

اپنانا فرض واجب نہیں ہے اور جو اپنائے اس پر لعن طعن واعتراض بھی جائز نہیں۔ لیکن تصویر کا ایک رخ یہ بھی ہے محبوب کی ہرادا محبوب ہوتی ہے اور ہمارے مقدس رسول تو پوری کائنات کے مخدوم اور خالق کائنات کے محبوب مطلق ہیں۔ تو جناب لباس کی وضع قطع کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ حیثیت تو صرف نسبت کی ہے۔ جب اس وضع قطع وڈیزائن کو محبوب رب العلمین کی ذات مطہر سے نسبت ہوگئی تو عقیدہ کی بات یہ ہے کہ لباس وہی بہتر وافضل ومتبرک ومستحب ہے، جو ہمارے مقدس رسول کو مرغوب و پسند تھا۔ دنیا میں کروڑوں وضع وڈیزائن کے لباس ہیں۔ اور لباس معظم ومحترم صرف اور صرف اسی وضع کا لباس ہے جسے اللہ کے محبوب اور سب کے مطلوب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا۔ اس لیے اس نیت سے اس لباس کو پہننا افضل و بہتر ہے اور باعث ثواب ہے تو اگر کوئی عالم دین حضور کے پسندیدہ لباس کی تلقین کرے تو اس پر آپ کو بھی ناراضگی نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں اگر غلو وتشدد کرے اور دوسری وضع کے لباسوں کو محض اپنے جی سے حرام وممنوع بتائے اور استعمال کرنے والوں کو فاسق معلن مرتکب کبیرہ قرار دے تو ایسے زاہد خشک کے شر سے بچانے کے لیے بے شک قدم اٹھایئے کہ اسلام میں سوائے حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کا نطق نطق خدا جس کا لا خدا کا لا اور جس کا نعم خدا کے نعم کا درجہ رکھے۔ ایسی پاک مطہر ومعصوم ہستی صرف اور صرف محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہی ہیں اور کوئی نہیں۔ اس لیے کسی شخص کو اپنے جی سے کسی جائز کو حرام و ممنوع قرار دینے کا حق نہیں ہے۔

ایمان ہے قال مصطفائی　　　قرآن ہے حال مصطفائی

چاندی سونے کے استعمال کی بعض صورتیں: کیا مرد کے لیے چاندی سونے کا استعمال مطلقاً حرام ہے؟ کیا چاندی کی انگوٹھی بھی ناجائز ہے (محمد الطاف رحمانی کیمبل پور) الجواب: سونے چاندی کا استعمال مرد کو مطلقاً حرام وہ صحیح نہیں۔ شرع مطہر نے جہاں بے شمار صورتوں کی ممانعت فرمائی ہے، بہت صورتوں کی اجازت بھی دی ہے۔ (الطیب الوجیز ص ۲)

اعلیحضرت نے اپنے رسالہ مبارکہ الطیب الوجیز میں سونے چاندی کی جن اشیاء کے استعمال کرنے اور انہیں پہننے کی اجازت ہے اس کی چند صورتیں یہ ہیں:۔

(۱) سونے چاندی کی گھنڈیاں (۲) سونے کا تکمہ (۳) انگوٹھی کے نگ میں سونے کی کیل (۴) سونے چاندی

کے دندانے چاندی کی انگوٹھی میں (۵) سونے چاندی کے بٹن، اشٹڈ وغیرہ مرد وعورت دونوں کو جائز ہیں۔ (۶) مرد کو چاندی کی پیٹی باندھنا (۷) ہلتے دانتوں میں چاندی سونے کے تار باندھنا۔ ٹوٹے ہوئے دانت کی جگہ چاندی سونے کے دانت لگانا (امام محمد کے نزدیک جائز اور امام اعظم کے نزدیک صرف چاندی کا دانت جائز ہے (۸) ایسے کپڑے پہننا مرد وعورت دونوں کے لیے جائز ہیں جن پر سونے چاندی کے پانی سے لکھا ہو (۹) مجاہد کو سونے چاندی بلکہ ہر دھات پیتل تانبے لوہے اسٹیل وغیرہ سے بنی ہوئی زرہ، خود، دستانے اور جنگی ضرورت کی چیزیں پہننا جائز ہے (۱۰) چاندی سونے پیتل تانبے اسٹیل وغیرہ کا بطور دوا مرد وعورت کو کھانا جائز ہے (۱۱) شیروانی، چادر، لوئی، کمبل، صدری کوٹ کرتا وغیرہ کے آنچلوں، دامنوں، گریبانوں، مونڈھوں، عمامہ کے پلوؤں وغیرہ پر سونے چاندی کا کام غرضیکہ کسی چیز میں (کپڑے میں) کہیں کیسی ہی متفرق بوٹیاں، بیل، پھول، پتیاں ہوں یہ سب جائز ہیں۔ بشرطیکہ ان میں جو بوٹیاں یا بیل یا کام ہے۔ تنہا چار انگل کے سے زائد نہ ہو...... اگر کپڑے پر متفرق کام بیل بوٹیاں تنہا چار انگل کے عرض سے تو زائد نہ ہوں مگر متفرق کام (بیل بوٹا وغیرہ) ملا کر دیکھیں تو چار انگل سے بڑھ جائے تو اس کا کچھ ڈر نہیں جائز ہے کہ یہ بھی تابع قلیل ہے (۱۲) چاندی کی انگوٹھی ایک نگ کی وزن ساڑھے چار ماشہ مرد کو پہننا جائز ہے۔ (۱۳) اگر چادر قمیص کرتا وغیرہ پر چاندی سونے کا کام چار انگل عرض تک ہو اس کا پہننا جائز ہے۔ یہ کام خواہ کسی نوعیت کیفیت کا ہو، کپڑے کی بناوٹ میں ہو، یا بعد میں کلابتون کامدانی وغیرہ کا ہو، سب جائز، اس قاعدہ کے مطابق۔ سونے چاندی کے پترے ٹکے ہوئے ملبوسات جبکہ چار انگل عرض تک ہو، مرد وعورت دونوں کو جائز ہے (۱۴) اسی طرح چاندی سونے کے پترے جو متفرق طور پر کپڑے میں ٹانکے جائیں، ہر پترہ چار انگل عرض کا ہو، مگر ان متفرق پتروں کو ملائیں تو چار انگل سے زائد ہو جائیں تو بھی جائز (۱۵) چادر، کرتا، قمیص وغیرہ میں چاندی سونے کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں ہوں، ہر بوٹی چار انگل سے زائد نہ ہو مگر سب کو ملائیں تو چار انگل سے زائد ہو جائے جائز ہے۔

۱۶۔ آنچل پلو مطلقاً حلال: ہاں ایک قول پر آنچل پلو مطلقاً حلال ہیں خواہ کتنے ہی چوڑے ہوں اس میں کارچوبی دوشالے یا بنارسی عمامے والوں کے لیے بہت وسعت ہے مگر زیادہ قوت اسی پہلے قول کو ہے کہ (سونے چاندی کا کام) چار انگل سے زیادہ نہ ہو۔ و فی السراج عن البسیر الکبیر العلم حلال مطلقاً صغیراً کان او کبیراً۔ مگر زیادہ قوت پہلے قول کو ہی ہے (الطیب الوجیز ص ۴)

۱۷۔ مغرق ٹوپی ناروا ہے: اعلیٰحضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

اور کوئی مستقل چیز بالکل مغرق یا ایسی گھنی کام کی ہو کہ مغرق معلوم ہو تو بھی ناروا۔ اگرچہ خود اس کی ہستی ایک انگل عرض کی ہو کہ یہ اگرچہ قلیل ہے مگر تابع نہیں۔ جیسے ریشم یا لچکے کے تعویذ یا ریشم میں کمربند یا جوتے کی اڈیوں، پنجوں پر مغرق کام یا ریشم یا سونے چاندی کے کام سے مغرق ٹوپی (الطیب الوجیز صفحہ ۳)

(۱۸) عورتوں کو چاندی، سونے کا ہر قسم اور ہر نوع اور ہر طرز کا زیور پہننا جائز و مباح ہے۔ عورتوں کو بطور زیور چاندی سونے کے کڑے چوڑیاں خواہ وہ کسی نوعیت و شکل کی ہوں زنجیر یا چین کلائی میں پہننا یا گلے میں ڈالنا جائز ہے۔ اسی طرح خالص سونے چاندی کی گھڑی بطور زیور پہننا (وقت نہ دیکھنا) عام گھڑیوں میں سونے چاندی ریشم کی زنجیر لگا کر اپنے گلے میں لٹکانا، قمیص وغیرہ سے اٹکانا جائز و مباح ہے۔

(۱۹) ریشم کے ملبوسات مرد کو ممنوع ہیں اور مستورات کو خالص ریشم کے ملبوسات جائز و مباح ہیں۔ عالمگیری میں ہے سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا اور اس سے تیل ڈالنا، خوشبو لگانا مرد و عورت دونوں کے لیے ناجائز ہے۔

(۲۰) و هذا اذا کان یصب الدهن. من الاٰنیة علیٰ راسه او بدنه. اما اذا ادخل یده فی اناء و اخرج منها الدهن ثم استعمله فلا باس به

(۲۱) و کذالک اذا اخذ الطعام من القصعة و وضعه علی خبز او ما اشبه ذالک ثم اکل لا باس به کذا فی المحیم (عالمگیری)

ترجمہ: اور مشائخ حنفیہ نے فرمایا، ناجائز اس صورت میں ہے جبکہ چاندی یا سونے کے برتن سے اپنے سر یا بدن پر تیل ڈالا اور اگر چاندی سونے کے برتن کے اندر ہاتھ ڈال کر اس میں سے تیل نکال کر اپنے ہاتھ سے (سر پر یا بدن پر) استعمال کیا تو حرج نہیں جائز ہے۔ اس طرح چاندی سونے کے برتن سے کھانا نکال کر روٹی یا اسی طرح کی کسی چیز پر رکھا۔ پھر کھایا۔ تو یہ بھی جائز ہے۔

(۲۲) گھر میں بطور زینت چاندی سونے کے برتن وغیرہ رکھنا جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے:۔

ولا باس بان یکون فی بیت الرجل اوانی اندهب و الفضة للتجمل لا یشرب منها. لا یشرب منها. نص محمد رحمته الله تعالیٰ علیه لان المحرم الا نتفاع و الا نتفاع فی الاوانی

الشرب كذا فی الکبری۔

ترجمہ: گھر میں سونے چاندی کے ظروف وغیرہ بطور تجمل (سجاوٹ) رکھنا جائز ہے۔امام محمد علیہ الرحمتہ نے اس پر نص کی اور فرمایا چاندی سونے کے برتنوں سے انتفاع حرام ہے اور برتنوں میں انتفاع یہ ہی ہے کہ ان میں کھایا پیا جائے۔

(۲۳) ولا یکرہ لبس ثیاب کتب علیھا بالفضة والذھب و کذالک استعمال کل مموہ لانہ اذا ذوب لم یخلص منہ شی۔

ترجمہ: جن کپڑوں پر سونے چاندی سے لکھ گیا ہے۔ان کا پہننا مکروہ نہیں ہے۔

(۲۴) اسی طرح چاندی سونے سے ملمع کی ہوئی چیزوں کا استعمال بھی مکروہ نہیں۔کیونکہ اگر ان کو گلایا جائے تو کچھ نہ ملے گا۔(عالمگیری)

۲۵۔ریشم کے متعلق جواز کی صورتیں: واستعمال اللحاف من ابریسم للرجال لا یجوز لانہ نوع بس ولاباس بملاءة حریر توضع علی مھد الصبی. لانہ لیس بلبس۔

اور مردوں کو ریشم کا لحاف جائز نہیں کہ یہ پہننا ہے اور اگر بچے کے گھوارے پر ریشمی چادر ڈالی جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ یہ پہننا نہیں ہے۔(عالمگیری)

(۲۶) ولاباس بستر الحریر و تعلیقہ علی الباب۔

ترجمہ: ریشم کے پردے دروازہ وغیرہ پر ڈالنے میں کچھ حرج نہیں۔

(۲۷) ولاباس با ستعمال منطقة ملتقاھا فضة (عالمگیری)

ترجمہ: اور ایسی پیٹی جس کے دونوں کنارے چاندی کے ہوں جو آپس میں ملائے جاتے ہیں۔اس کے استعمال میں حرج نہیں۔

وکذا الاکلة من الحریر للرجال لانھا کالبیت کذا فی القنیہ (عالمگیری)

ترجمہ: ریشم کی مچھر دانی مرد کو استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ یہ بیت کی طرح ہے۔

(۲۹) ویجب ان یعلم ان لبس الحریر ھو ما کان لحمتہ حریر اوسداہ حریرا حرام علی

الرجال (عالمگیری)

ترجمہ: سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کپڑے کا پہننا حرام ہے جس کا بانا و تانا دونو ریشم کے ہوں۔

(۳۰) اما ما کان سداہ حریراً ولحمتہ غیر حریر فلا باس بلبسہ بلا خلاف بین العلماء و هو الصحیح وعلیہ عامۃ المشائخ رحمهم اللہ تعالیٰ (عالمگیری)

ترجمہ: اور اگر تانا ریشم کا ہونا اور بانا ریشم کا نہ ہو تو بلا خلاف اس کے پہننے میں حرج نہیں یہ صحیح ہے اور عامہ مشائخ کا یہی قول ہے۔ (عالمگیری)

(۳۱) ویکرہ لبس الدیباج للرجال ولاباس بتوسدہ والنوم علیہ (عالمگیری)

ترجمہ: مردوں کو دیبا کا پہننا مکروہ ہے اور اس کے تکیہ بنانے اور اس پر سونے میں حرج نہیں۔

اخروٹ سے کھیلنا جائز ہے: اب آخر میں بقول متشددین ایک دو تجددی حوالے بطور نمونہ پیش کردوں۔ وجیز کردری میں ہے کہ عید کے دن بچے اخروٹ سے کھیلیں تو جائز ہے کچھ حرج نہیں اور ان اخروٹوں کا کھانا بھی جائز ہے۔ شرط یہ ہے کہ قمار (جوئے کے طور پر نہ کھیلیں۔ اسی طرح عالمگیری و جواہر الفتاویٰ وغیرہ میں ہے کہ گرمیوں میں نوجوان تربوز سے کھیلتے ہیں بایں طور کہ ایک دوسرے پر مارتے ہیں۔ یہ بھی مباح ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں (غیر مستنکر)

۱۔ اکل الجوز الذی یلعب بہ الصبیانؑ ایام العید لاباس بہ مالم یقامروا بہ والانهذا الصنع حرام (وجیز صفحہ ۳۶۱ علی حاشی علامگیری ج ٦)

۲۔ قال القاضی الامام ملک الملوک اللعب الذی یلعب الشبان ایام الصیف بالبطیخ بان یضرب بعضهم بعضا مباح غیر مستنکر کذا فی جواهر الفتاوی (عالمگیری ج ۵ ص ۳)

مستورات اور عطر: ہمارے خطیب صاحب نے فرمایا کہ مستورات کو عطر لگانا حرام ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب: مرد و عورت کو عطر و خوشبویات کا لگانا جائز و مباح ہے۔ ناجائز اس صورت میں ہے جبکہ عورتیں خوشبو لگا کر بازاروں میں پھریں اور غیر محرموں تک ان کی خوشبو پہنچے اور اس طرح لوگ انگلیاں اٹھائیں۔ حدیث رسول میں ممانعت بھی اسی کی ہے۔ مطلقاً خوشبو کی ممانعت نہیں ہے۔ اور بلا دلیل حرام کہنے والے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرنا چاہیے۔

وقال الا وطیب الرجال ریح لا لون له و طیب النساءِ لون لا ریح له (ابوداؤد)

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا، مردوں کی خوشبو وہ جس میں خوشبو ہو رنگ نہ ہو اور عورتوں کی وہ کہ جس میں رنگ ہو خوشبو نہ ہو۔

علامہ علی قاری حنفی نے اس حدیث کے ماتحت فرمایا:

ولا یجوز لهن الطیب بماله رائحة طیبه عند الخروج من بیوتهن و یجوز اذالم یخرجن (مرقات)

ترجمہ: عورتوں کو خوشبو لگا کر گھروں سے باہر جانا جائز نہیں۔ ہاں اگر گھر میں خوشبو استعمال کریں، جائز ہے۔

پاجامہ، تہبند یا شلوار کا ٹخنوں سے نیچا رکھنے کے متعلق حکم شرعی: واضح ہو کہ یہ فعل نہ مطلقاً حرام و مکروہ ہے اور نہ مطلقاً مباح و جائز، دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس کے تین درجے ہیں۔ (اول) ازراہ تکبر و غرور تہبند یا پاجامہ کا ٹخنوں سے نیچا رکھنا گناہ اور مکروہ تحریمہ ہے اور اس صورت میں نماز بھی مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔ یعنی اس نماز کا دوبارہ لوٹانا ضروری۔ (دوم) اگر یہ فعل ازراہ تکبر و غرور نہ ہو تو مکروہ تنزیہی۔ اور نماز میں بھی غایت اس کی خلاف اولیٰ اور اس صورت میں نماز کا اعادہ ضروری نہیں۔ یعنی شلوار یا، پاجامہ، پتلون، تہبند کا ٹخنوں سے نیچے رکھنا اگر ازراہ تکبر و غرور نہ ہو محض سستی و کاہلی یا محض فیشن و رواج (کہ آج کل لوگ عموماً اس میں مبتلاء ہیں) کی بنا پر ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اگرچہ اس صورت میں گناہ نہیں مگر پرہیز بہتر و افضل۔ (سوم) محض کسی عذر بیماری یا سردی کی وجہ سے پاجامہ یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچا رکھا جائے تو جائز و مباح ہے کچھ گناہ نہیں۔ مکروہ تنزیہہ بھی نہیں اور اس صورت میں نماز بلا کراہت درست و جائز ہے یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اس کے دلائل شرعیہ یہ ہیں:

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا ینظر اللّٰه الی من جرا زاره بطرا (بخاری)

ترجمہ۔ اللہ اس شخص کی طرف نظر نہیں فرمائے گا، جس نے تکبر و غرور کے طور پر اپنا کپڑا لٹکایا۔

ما اسفل من الکعبین من الا زار فی النار (بخاری)

ترجمہ: تہبند وغیرہ سے جو ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہے۔

لا ینظر اللّٰہ یوم القیامۃ الی من یجر ثوبہ خیلاء (مسلم)

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہیں فرمائے گا جو اپنا کپڑا تکبر وغرور کے طور پر لٹکا تا ہے۔

من جرا زارہ لا یرید بذالک الا المخیلہ فان اللّٰہ لا ینظر الیہ یوم القیمۃ (مسلم)

ترجمہ: جس نے اپنا کپڑا لٹکایا اور اس سے اس نے ارادہ نہیں کیا مگر تکبر کا، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔

بچوں کے بہلانے کے لیے دف بجانا: عالمگیری اور جواہر الفتاویٰ وغیرہ میں ہے:

وسئل ابو یوسف عن الدف تکرھہ فی غیر العرس بان تضرب المرأۃ فی غیر فسق للصبی.
قال لا اکرھہ اما الذی یحبی منہ اللعب الفاحش للغناء فانی اکراھہ کذافی محیط السرخسی
(عالمگیری ص۳۵۲ ج۵)

ترجمہ: کہ حضرت امام ثانی امام ابو یوسف سے سوال ہوا کہ نکاح کے علاوہ اگر عورت بچے کے لیے (بہلانے کے لیے) بغیر فسق کے دف بجائے تو کیا آپ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ فرمایا نہیں میں اس کو مکروہ جانتا ہوں جس سے لعب فحش گانے کا پیدا ہوتا ہے۔

اس جزیہ سے واضح ہوا کہ مستورات اگر اپنے بچوں کو بہلانے کے لیے (دف) اسی قسم کا کوئی آواز دار کھلونا بجائیں تو جائز ہے۔

عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الاسبال فی الازار والقمیص والعمامۃ ومن جرمنھا شیئا خیلا لم ینظر اللّٰہ الیہ یوم القیامۃ۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

حضور علیہ السلام نے فرمایا، اسبال چادر، قمیص اور عمامہ میں ہے تو جس نے ان میں سے کسی شی کو تکبر وغرور کی راہ سے لٹکایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔

مذکورہ احادیث کے متعلق شارحین حدیث کی تصریحات: مذکورہ بالا احادیث کی توضیح وتشریح میں شارحین حدیث نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ .... شلوار پاجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچا رکھنا اسی

صورت میں مکروہ تحریمہ ہے جبکہ براہ تکبر وغرور ہو اور بغیر تکبر کے ہو تو مکروہ تنزیہہ ہے (۲) علامہ علی قاری نے حضرت ابن الاعرابی سے مسبل کی تشریح یہ نقل کی کہ مسبل وہ ہے جو اپنے کپڑے اس حد تک لمبا کرے کہ زمین پر گھٹنے لگیں اور فعل ازراہ غرور ونخوت ہو۔ علامہ قسطلانی وعلامہ ابن حجر علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ اس باب کی احادیث غرور وتکبر کے ساتھ مشروط ومقید ہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا اس باب کی وہ حدیث جس میں تکبر کی قید نہیں ہے اسے بھی محمول بر تکبر قرار دینا ضروری ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو یہ بھی تصریح کی کہ اگر اسبال کسی عذر یا مرض کی وجہ سے کیا جائے، تو جائز ومباح ہے۔ مکروہ تنزیہہ بھی نہیں نیز علامہ علی قاری علیہ الرحمہ نے تصریح فرمائی۔

ان سبب الحرمة فی جر الازار هو الخیلا (مرقات)

ترجمہ: ٹخنوں سے نیچے تہبند یا چادر کے لٹکانے کی حرمت کا سبب تکبر وغرور ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ حدیث من جر ازاره بطراء کی شرح میں لکھتے ہیں۔

(بطریق تکبر و اسراف) ازیں قید معلوم می شود، اگر نہ بایں طریق بود حرام نیست لیکن مکروہ است کراهت تنزیہی و اگر بجہت عذر می باشد مثل مرض و برودت باید کہ مکروہ نہ بود (اشعۃ اللمعات)

ترجمہ: کہ بطرا کے معنی یہ ہیں کہ تہبند کو بطریق تکبر یا اسراف ٹخنوں سے نیچا کرلے تو تکبر کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر یہ فعل ازراہ تکبر وغرور نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر بیماری وسردی کی وجہ سے ایسا کرے تو مکروہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت شیخ کا یہ فرمانا کہ اگر عذر کی وجہ سے ٹخنوں سے تہبند یا پاجامہ کو نیچے رکھے تو مکروہ تنزیہی بھی نہیں اس کی واضح دلیل حدیث بخاری ہے۔ سیدنا امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحضور نبوی عرض کی، یارسول اللہ میرا تہبند لٹک جاتا ہے جب تک میں اس کا خاص لحاظ نہ رکھوں حضور ﷺ نے فرمایا:۔

انت لست ممن یصنعه خیلاء — تم ان میں نہیں جو براہ تکبر ایسا کریں۔

۳۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اسبال الرجل ازاره اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیه کراهة تنزیه۔

ترجمہ: مرد کا تہبند یا جامہ شلوار کا ٹخنوں سے نیچا رکھنا اگر از راہ تکبر و غرور نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

۴۔علامہ نووی نے فرمایا۔ **لا یجوز الاسبال تحت الکعبن ان کان للخیلاء فھو ممنوع صنع تحریمہ والا فمنع تنزیہ۔**

ترجمہ: تہبند وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچا کرنا جائز نہیں اور اگر از راہ تکبر ہو تو مکروہ تحریمہ ہے۔ اور اگر از راہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ (مرقات)

۵۔شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے تصریح فرمائی ہے کہ اسبال کے معنی ہی یہ ہیں کہ آدمی تکبر و غرور کی بنا پر چادر وغیرہ کو لٹکائے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: واصل اسبال دراز کردن جامہ و فرومشتن آن تازمین بطریق نازو تکبر جس سے واضح ہوا کہ حضور نے جس شخص کو بوجہ اسبال وضو دوبارہ کرنے کا حکم دیا تھا اس نے ازارہ غرور ایسا کیا تھا۔ بہر حال ازارہ تکبر و غرور تہبند وغیرہ کا ٹخنوں سے نیچا رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور مستورات اس حکم سے پھر بھی مستثنیٰ ہیں۔ ان کو جائز ہے کہ وہ اپنے دامنوں یا پاجامہ وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچا رکھیں علامہ علی قاری فرماتے ہیں:۔

۶۔ **و اجمعوا علی جواز الاسبال للنسا وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لھی فی ارخاء ذیولھن (مرقات)**

ترجمہ: مستورات کے لیے اسبال کے جواز پر اجماع ہے اور حضور علیہ السلام سے یہ بات ان کو پہنچی ہے کہ آپ نے ان کو اپنے دامنوں کو ٹخنے سے نیچا لٹکانے کی رخصت دی ہے۔

۷۔حدیث **ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار** کا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہ فرمایا ہے:۔

چیزے کہ باشد پایان تراز شتالنگ ازازار در آش دوزخ است یعنی آن پارہ از قدم زیر شتالنگ کہ برونے ازار مسبل است و بعضے گویند معنی آنست کہ ایں فعل مذموم است و افعال اہل نار است۔ کذا قال الطیبی (اشعۃ اللمعات)

ترجمہ: وہ کپڑا وغیرہ جو ٹخنوں سے نیچا ہو (از راہ تکبر) وہ آتش دوزخ میں ہے یعنی قدم کا وہ حصہ جس پر کپڑا لٹکے (وہ دوزخ میں جلے گا) اور بعض نے کہا معنی حدیث یہ ہیں یہ فعل مذموم ہے اور اہل نار کے افعال سے ہے۔ نہ ہی

علامہ طیبی نے فرمایا۔

۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے حدیث اسبال کی شرح میں فرمایا:

و عزیمت در آزار تانصف ساق است و ازار آنحضرت ایں چنیں بود و فرمود ازار مومن تانصف ساق است، و رخصت تا پالای مشتالنگ و حکم دامان قبا و پیرامن نیز همی است و آستینها تا بند دست است و اسبال در عمامه بار سال عذر زیادت بر عادت عدد او طولا و غایت آں تانصف طهرات و زیاده برآں بدعت و داخل اسبال محرم و ایں توسیع و تطویل که در بعضے از دبار عرب متعارف شده خلاف سنت و هرچه ازاں بطریق خیلاء است حرام و آنچه بطریق عرف و عادت شائع شده و شعار قوی گشته لاباس به است اگرچه افراط خالی از کراهت نیست (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۷۵)

ترجمہ: تہبند وغیرہ میں عزیمت یہ ہے نصف پنڈلی تک ہو حضور کا ازار بھی نصف ساق تک تھا کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا مومن کا تہبند نصف پنڈلی تک ہے اور رخصت یہ ہے کہ ٹخنوں سے اونچا ہے اور حکم دامن قبا اور کپڑوں کا بھی یہی ہے اور آستین میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کے دگٹے تک ہو اور عمامہ شملہ کی غایت (یعنی جائز ہے) نصف کمر تک۔ اس سے زیادہ بدعت اور داخل اسبال ہے جو کہ منع ہے۔ اور بعض دیار عرب سے جو شملہ بڑا رکھتے ہیں (یعنی نصف کمر سے بھی نیچا) خلاف سنت ہے اور جو کچھ اس سے بطریق عرف (رواج) و عادات کے ہو یا قوی شعار ہو جائے اس میں حرج نہیں اگرچہ افراط کراہت سے خالی نہیں (یعنی مکروہ تنزیہہ ہے)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی اس تصریح و توضیح سے واضح ہوا۔ مذکورہ بالا حد سے قیص عمامہ کا شملہ اور تہبند وغیرہ کا ٹخنوں سے نیچا رکھنا جبکہ از راہ تکبر و غرور ہو ممنوع ہے اور گناہ ہے اور نماز بھی اس کے ساتھ مکروہ تحریمی......

لیکن ان مذکورہ حدوں سے تجاوز اگر محض صرف و عادت، سستی، کاہلی یا فیشن کے طور پر ہو جیسا کہ آج کل پاجامہ، شلوار یا تہبند یا پتلون کا ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا مرض عام ہو گیا ہے۔ تو صرف مکروہ تنزیہی ہے۔ بچنا اس سے افضل و بہتر ہے اور نماز میں بھی اس کی غایت صرف ترک اولیٰ ہے۔ اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہرگز نہیں ہے بلکہ سستی یا جلدی کے موقع پر تہبند کا ٹخنوں سے نیچا رہنے کا ثبوت خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ

عن ابی بکرة قال خسفت الشمس و نحن عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقام بجر ثوبہ

ستعجلا حتیٰ اتی لمسجد (بخاری)

ترجمہ: ابوبکرہ سے روایت ہے کہ سورج کو گرہن لگا اور ہم حضور کے حضور تھے تو حضور کھڑے ہوئے۔ جلدی میں

جرثوب کی حالت میں مسجد تشریف لائے۔

۹۔ ان الاحادیث المطلقة فی الزجر عن الاسبال مقیده بالاحادیث الاخری المصرحه بمن

فعل خیلا (فتح الباری ۵) وظواهر الاحادیث فی تقیید ها بالجر خیلا تدل عل یاتحریم

مخصوص باالخیلاء هکذا نص الشافعی علی الفرق فما تنزل عن الکعبین فهو ممنوع فان کان

للخیلاء فهو ممنوع منع تحریم والا فمنع تنزیه و اما الاحادیث المطلقة بان ماتحت الکعبین فی

النار فالمراد بها ما کان للخیلاء لانه مطلق فوجب حمله علی المقید (نووی علی مسلم)

احادیث میں خیلا کبر، ھھو، بطر، تبختر کے الفاظ آئے ہیں سب کے معنی تکبر وغرور کے ہیں۔

۱۰۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے فتاویٰ رضویہ میں فرمایا۔ ازار کا گٹوں سے نیچا رکھنا اگر براہ

تکبر ہو حرام ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ورنہ صرف مکروہ تنزیہہ اور نماز میں بھی اس کی غایت خلاف اولیٰ۔

(فتاویٰ رضویہ ج۳ ص ۴۴۸)

نیز فقہاء احناف نے بھی واضح لفظوں میں اس امر کی تصریح کی۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

اما النساء فیر حنین ازارهن اسفل من ازار الرجال لیستر ظهر قد مهن۔ (عالمگیری ج۵ ص

۳۳۳)

ترجمہ: مستورات کو جائز ہے کہ وہ تہبند یا شلوار وغیرہ ٹخنے سے نیچا رکھیں۔ تا کہ ظاہر قدم چھپ جائے۔

اسبال الرجل ازاره اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیه کراهة تنزیه. کذا فی

الغرائب۔ عالمگیری ج۵ ص ۳۳۰

ترجمہ: اور مرد کو ٹخنوں سے تہبند وغیرہ کو نیچا رکھنا اگر بنیت تکبر وغرور نہ ہو تو مکروہ تنزیہہ ہے۔

اور مکروہ تنزیہہ فعل ناجائز وحرام نہیں ہوتا اور نہ گناہ۔ کراہت تنزیہی کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس سے بچنا

اچھا ہے۔ اگر نہ بچے تو نہ گناہ اور نہ ثواب۔ اور تمام کتب فقہ حنفی، عالمگیری، ردالمختار، وجیز، فتاوی قاضی خاں خلاصۃ

الفتاویٰ، درمختار، بحرالرائق، بدائع نہ فتح القدیر اور فتاوی رضویہ میں ہے۔

ا۔اور ترک مستحب مستلزم کراہت تنزیہہ بھی نہیں۔ کراہت تحریمہ تو بڑی چیز ہے۔ بحرالرائق باب العیدین میں ہے لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ (فتاوی رضویہ جلد دوم ص ۱۶۱)

۲۔ مستحب ومباح کے ترک میں کچھ گناہ نہیں، نہ ان کے تارک کی امامت میں کچھ نقص (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۲۷۹)

۳۔مکروہ تحریمہ بھی گناہ صغیرہ ہی ہے اور البتہ تکرار واصرار کے بعد کبیرہ ہوگا اور فاسق غیر معلن کی امامت صرف نامناسب ہے۔اعلیحضرت لکھتے ہیں:۔

ایک آدھ بار سے فاسق نہ ہوگا بلکہ تکرار واصرار کے بعد حکم فسق دیا جائے گا کہ مکروہ تحریمہ گناہ صغیرہ ہے۔ کمافی ردالمختار عن رسالۃ المحقق البحر اور صغیرہ بعد اسرار فسق ہے درمختار میں ہے و یکرہ تنزیھا امامۃ اسق. فاسق کی امامت صرف مکروہ تنزیہہ ہے یعنی نامناسب وبس۔ (فتاویٰ افریقہ)

یہ حوالے خالص کتب فقہ حنفی کے ہیں۔ان کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ مسئلہ کی نوعیت کیا ہے؟ لیکن حیرت ہے! بلکہ افسوس کہ بعض اچھے خاصے فاضل حضرات بھی غلو وتشدد اور بے جا شخصیت پرستی بلکہ سخن پروری کی وجہ سے مکروہ تنزیہی کو بھی حرام قطعی کا درجہ دے رہے ہیں اور اس معاملہ میں اللہ کی پکڑ، رسول کریم کی ناراضگی اور شریعت مطہرہ پر افتراء کرنے کو جرم نہیں سمجھتے۔

بہر حال عرض یہ ہے کہ مطلقاً اسبال کو حرام وناجائز کہہ دین نہ صرف یہ کہ احادیث نبوی وتصریحات آئمہ دین کے خلاف ہے بلکہ شریعت مطہرہ پر افتراء وبہتان باندھنا ہے۔ ہر مسئلہ کو اس کے درجہ ومرتبہ میں رکھ کر بیان کرنا ضروری و لازمی ہے۔ خلاف اولیٰ کو مکروہ تحریمہ قرار دے دینا نہ احتیاط ہے اور نہ تقویٰ۔ فافہم۔

شعار اور مکروہ تنزیہہ: آپ نے مذاکرہ علمی حصہ سوم میں یہ تاثر دیا ہے کہ جو فعل یا لباس فساق وفجار کا شعار ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ حرام ہی ہو مکروہ تنزیہہ بھی ہوسکتا ہے؟ آپ یہ بات اکابر علماء اہلسنت کی تحریرات سے ثابت کر کے ہمیں مطمئن کیجئے۔

الجواب: مذاکرہ میں راقم نے ایسا تاثر دیا ہے اس سے قطع نظر کہنا یہ ہے کہ اگر واقعی یہ سوال آپ کے ذہن میں

اٹھا ہے تو بہت پیارا معقول اور مفید ہے۔ جی چاہتا تھا اس مسئلہ کے متعلق کتاب و سنت وفقہ حنفی کی روشنی میں گفتگو کروں، مگر آپ لوگ غلط قسم کی شخصیت پرستی کے مریض ہو گئے ہیں۔ اس لیے علماء اہل سنت کی ایسی تحریر پیش کرتا ہوں جس میں آپ کے سوال کا مکمل جواب اور ایسالا جواب کہ جسے آپ جیسے حضرات کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ حضرت مولانا سردار احمد صاحب لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ در رضائے مصطفیٰ (۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۰ھ ص ۴) پر شائع ہوا ہے جو یہ ہے (۱) پس غیر انبیاء کو علیہ السلام نہ کہا جائے۔ جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ یہ مکروہ تنزیہہ ہے (۲) چونکہ علیہ السلام کہنا اہل بدعت و مخالفین صحابہ کا شعار ہے اس لیے مستحسن نہیں (۳) حضرت مولانا محمد عمر صاحب نعیمی علیہ الرحمہ کا فتویٰ یہ ہے مخالفین صحابہ آئمہ کو معصوم مانتے ہیں اس لیے وہ علیہ السلام کہتے ہیں۔ (۴) لہذا اہلسنت غیر انبیاء کو علیہ السلام کہنے اور لکھنے کا ارتکاب نہ کریں۔ اور مخالفین صحابہ کی مشابہت سے بچیں (۵) غیر نبی کو بالاستقلال علیہ السلام کہنا۔ بعض مخالفین صحابہ کا شعار ہے اور باجماع سلف مکروہ ہے (۶) اور جن کے نزدیک علیہ السلام کہنا انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں ان کے نزدیک بھی غیر نبی کو علیہ السلام کہنا غیر مستحسن و مکروہ تنزیہہ ہے۔

یہ تمام فتوے رسالہ رضائے مصطفیٰ (۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۰ھ ص ۴) پر درج ہیں۔ اکابرین علماء اہلسنت نے تصریح فرمائی ہے کہ غیر انبیاء کو علیہ السلام کہنا اور لکھنا (روافض شیعوں) کا شعار ہے۔ مخالفین صحابہ کا شعار ہے۔ اہل بدعت کا شعار ہے۔ مگر اس کے باوجود صرف غیر مستحسن مکروہ تنزیہہ ہے۔ غور کیجئے انصاف فرمائیے جو چیز روافض کا شعار بذہبی ہے۔ اکابر علماء اہل سنت کے فتویٰ کی رو سے صرف مکروہ تنزیہہ ہے اور مکروہ تنزیہہ فعل حرام نہیں ہوتا بلکہ جائز ہوتا ہے۔

سچے حضور! جو بات رضوی کہتا ہے وہ اکابر علماء اہل سنت نے کہی ہے۔ اب انصاف کرنے والے انصاف کر لیں۔

عموم بلوی اور قبروں کو سجدہ: سوال: اگر بالفرض مسلمانوں کو قبروں کے سجدہ کرنے میں ابتلائے عام ہو جائے تو کیا آپ کے نزدیک قبور کو سجدہ کرنا جائز ہو جائے گا؟ (راشد علی رضوی لائلپور)

الجواب: اصولی و بنیادی طور پر مذاکرہ علمی حصہ سوم میں اس کا جواب آچکا ہے۔ شاید آپ تفصیل چاہتے ہیں تو معاف کیجئے از راہ ظرافت یا شرارت آپ جو بھی سمجھ لیں، فی الحال تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ مختصر جواب یہ ہے کہ عموم

بلوی فی موضع النص القطعی باعث تخفیف ہے۔ میرے اس دعویٰ کو اللہ کے فضل سے کوئی عالم دین خواہ وہ کسی بھی مکتبہ فکر سے متعلق ہو غلط نہیں کہہ سکتا، چند صاحبان اللہ جانے ضد وحسد کی بنا پر یا کیوں اس ضابطہ پر سیخ پا ہیں اور عوام میں تاثر یہ دیتے ہیں کہ اس ضابطہ کے ماتحت تو دنیا کی ہر حرام چیز جائز ہو جائے گی۔ (جیسا کہ آپ کا سوال بھی اسی نوع کا ہے) تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ان حضرات کو اپنے فہم وبصیرت کا ماتم کرنا چاہیے۔ میں اشارۃً عرض کردوں۔ یہ ضابطہ فقہاء کا قیاس یا اجتہاد نہیں بلکہ کتاب وسنت کی نصوص صریحہ سے ماخوذ ہے۔ اب اگر کسی محل میں یہ ضابطہ واقعی طور پر پایا جاتا ہے اور حرام حلال ہو جاتا ہے تو اس میں ناراض ہونے کی بات کیا ہے؟ اور شرعاً واخلاقاً اس میں خرابی کیا ہے؟......

بہاولپور کے ایک مولوی صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ عموم بلوی وہاں معتبر ہے جہاں نص نہ ہو انما یعتبر فی موضع لانص فیہ۔ مجھے تسلیم ہے لیکن اس کے باوجود بات یہ ہی ہے کہ عموم بلوی (ای الحرج) فی موضع النص القطعی باعث تخفیف ہے۔ تو صاحبان سن لیجیے، جہاں (الاشباہ ص ۵۶ پر لانص فیہ) ہے۔ اسی مقام پر یہ بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اول درجہ۔ اگر کسی حکم شرعی پر عمل کرنے سے انسان کو ایسا حرج پہنچے کہ اس سے جان جانے یا عضو کے فاسد ہو جانے کا اندیشہ صحیح ہو۔ ادنیٰ درجہ۔ اس حکم شرعی پر عمل کرنے سے سر یا کسی عضو میں معمولی درد ہلکی پھلکی تکلیف ہو۔ درمیانی درجہ اس حکم شرعی پر عمل کرنے سے مرض بڑھ جانے یا دیر میں اچھا ہونے کا اندیشہ صحیح ہو...... تو جناب اول درجہ اور درمیانی درجہ کی حالت رخصت وسہولت پیدا کرتی ہے۔ اب اللہ جانے یہ حضرات اس رخصت وسہولت سے کیوں چڑتے ہیں اور جب رضوی کے مقابل آتے ہیں تو یوں گوہرافشانی کیوں فرماتے کہ...... علوم بلوی ایسا دم چھلا ہے کہ اس کو کام میں لا کر ہر بے خرد بے قید مفتی

شراب وزنا وسود وقبروں کو سجدہ کو بھی حلال قرار دے گا۔

ہاں اگر یہ کہا جائے۔ کوٹ پتلون، گھڑی کے چین میں اول درجہ اور درمیانی درجہ کی حالت نہیں پائی جاتی۔ ایسی صورت میں رضوی کا حرج کی بنا پر ان اشیاء کے لیے جواز کا قول کرنا جہالت وحماقت ہے تو اے معترضین خوش کلام اول تو رضوی نے عموم بلوی کو دلیل جواز بنایا ہی نہیں، ہاں بطور تنزل بنایا ہے اور یہ بھی رضوی کی جہالت نہیں۔ اللہ کے فضل سے فقہی بصیرت وبصارت ہے۔ کیوں ہے؟ تو اس کا بم جواب یہ ہے کہ رضوی نے ولسنا نعنی بهذا ان عامة المسلمين اذا ابتلو بحرام حل بل الامران عموم البلوى من موجبات التخفيف شرعاً و ما

صناق امرا الا اتسع فاذا وقع ذالک فی مسئلة ۔میں دلیل شرعی بطور امانت رکھی ہوئی ہے۔ذراراتوں کی نیند حرام کر کے معترضین کرام اس عبارت کی تکمیل معتبر کتب اصول وفقہ سے کرنے کی زحمت اٹھائیں۔ جب مکمل عبارت پالیں گے۔اگر انصاف پسند ہیں تو رضوی پر اعتراض سے باز آجائیں گے۔رہا رضوی تو وہ تماشائے اہل علم دیکھ رہا ہے اور لطف اٹھا رہا ہے۔تو جناب راشد علی صاحب اگر آپ کو ایسی صورت پیش آجائے کہ کوئی تلوار آپ کی گردن پر رکھ دے اور آپ کی گردن شریف اڑا دینے پر قادر ہو اور آپ میں بچنے بچانے کی قوت نہ ہو اور خوف جان (حرج) کی بنا پر آپ اس کے حکم کی تعمیل میں قبر کو سجدہ کر دیں تو جائز ہے۔کیوں اس لیے کہ عموم بلوی فی موضع النص القطعی باعث تخفیف ہے۔

کیا دلیل شرعی کا طلب کرنا جرم ہے: آپ نے مذاکرہ علمی میں متعدد جگہ یہ لکھا ہے کہ کسی بڑے عالم کا کچھ لکھ دینا دلیل شرعی نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے موقف کو دلیل سے ثابت نہ کر دے تو آپ بڑے سے بڑے عالم کے علم وفضل سے اپنے کو زیادہ عالم سمجھتے ہیں۔

الجواب: رضوی دلیل شرعی کا مطالبہ اس لیے کرتا ہے کہ اکابرین علماء اہل سنت وفقہاء اسلام کے علم وفضل ورع و تقویٰ کے اعتراف واقرار کے باوجود انہیں امام اعظم ابوحنیفہ کا درجہ نہیں دیتا۔اگر کسی معتبر عالم نے کسی چیز کو بلا اظہار دلیل ممنوع وناجائز قرار دیا ہے تو دلیل شرعی کا طلب کرنا جرم نہیں ہے اور یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ طالب دلیل ان بزرگوں سے اپنے کو بڑا عالم فاضل سمجھتا ہے۔بہر حال رضوی نے وہی کچھ لکھا ہے جو اکابرین علماء اہل سنت نے فرمایا اور اپنی تالیفات میں بڑے زور شور سے بیان کیا۔حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ جاء الحق میں لکھتے ہیں بلکہ مفتی صاحب نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کتب فقہ حنفی میں اگر کسی بات کو مکروہ تحریمہ قرار دیا گیا ہے تو جب تک دلیل شرعی سے اس بات کا مکروہ تحریمہ ہونا ثابت نہ ہو جائے محض فقہاء احناف کے مکروہ تحریمہ لکھ دینے سے وہ بات شرعاً مکروہ تحریمہ قرار نہیں دی جا سکتی۔یقین نہ آئے تو سنیے۔

آیت مااھل به لغیر اللہ میں کلمہ اہل کے معنیٰ مطلقاً پکارنے کے ہیں۔لہذا جس جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا خواہ ذبح سے قبل یا بعد وہ مردار ہے (نوٹ)۔یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے۔وہ اس مسئلہ میں سخت غلطی فرما گئے۔

ا۔(۱) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب و(۲) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما بے شک بزرگ ہستیاں ہیں، لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں کہ کراہت تحریمی وحرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو جائے۔اس کے لیے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ایک عالم کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہوسکتا ہے مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کوعلماء مستحب جانیں، مگر کراہست وحرمت کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔(جاء الحق ص ۲۷۱)

۲۔تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہوسکتی ہے۔ہرگز نہیں، بلکہ اس کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔بلا دلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔شامی بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذلال بدلہ من دلیل خاص (ردالمحتار)

ترجمہ: کہ ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔

ولان الکراھۃ حکم شرعی فلا بدلہ من دلیل خاص (ردالمحتار) جاء الحق ص ۲۷۹

ترجمہ: کیونکہ کراہت حکم شرعی ہےاس کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔

۳۔جب فقہاء مکروہ (۳) فرمادیں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دلیل میں نظر کی جائے۔اگراس کی دلیل ظنی ممانعت ہوتو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے۔اوردلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہت تنزیہی ہے(علامہ شامی کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی۔اور جن فقہاء نے بھی ذکر بالجہر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی، لہذا یہ مکروہ تنزیہی ہےاور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔(جاء الحق ص ۳۶۳)

ا۔واضح رہے قدوۃ المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی استاذ المحدثین ہیں اور تمام مدارس نظامیہ میں حدیث کی چوتھی سند دی جاتی ہے۔سب کا سلسلہ حضرت محدث دہلوی ہی کے ذریعہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ تک پہنچا ہے ۲۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتی احناف کی وہ شخصیت ہیں جن کے علم وفضل اور فقہی بصیرت کا جیتا جاگتا ثبوت تفسیر مظہری کی عظیم وجلیل تفسیر کی صورت میں سب کے سامنے ہے۔

۳۔ شامی جلد اول کتاب الطہارۃ مطلب تعریف المکروہ میں ہے اذا ذکر و مکروھا فلا بدمن النظر فی دلیلہ فان کان نہیا ظنیا یحکم بکراھۃ التحریم الابصارف النھی عن التحریم الی الندب فان لم یکن الدلیل نہیا بل کان مفید الترک الجازم فھی تنزیھیۃ (ردالمحتار)

۴۔(۱) جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے۔ الاصل فی الاشیاء الاباحة تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے۔ ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہو گی نہ نئے ہونے سے قرآن مجید میں ہے لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم الخ ۔اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے۔ نیز فرمایا وقد فصل لکم ما حرم علیکم ۔تم سے تفصیل وار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو کہ تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ تمام چیزیں ہی حلال ہیں۔ ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بتا دی ان کے سوا سب حلال (جاء الحق ص ۲۰۲)

(۲) الحلال ما احل اللّٰہ فی کتبه والحرام ما حرم اللّٰہ فی کتابه و ما سکت عنه فهو مما عفی عنه (مشکوۃ کتاب الاطعمہ)

ترجمہ: حلال وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں۔ ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحۃً قرآن میں مذکور۔ دوسرے وہ جن کی حرمت صراحۃً آ گئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی گئی۔ یہ معاف ہیں (جاء الحق ص ۲۱)

(۳) شامی جلد اول کتاب الطہارت بحث سنت میں ہے۔ المختار ان الاصل الاباحة عند جمهور من الحنفیه والشافعیه ۔جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے اس کی تفسیر خازن و روح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز اصل یہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہو گی (ص ۲۰۱)

(۴) اب جو لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ، کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام نے یا صحابہ کرام یا تابعین تبع تابعین نے کب کیا تھا۔ یہ محض دھوکہ ہے اہلسنت کو چاہیے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا حرام ہے۔ جب خدا حرام نہ کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرمائیں اور کسی سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے۔ رب فرماتا ہے قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میته ۔نیز فرماتا

ہے قل من حرم زینة اللّٰہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق الخ ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی (جاء الحق ص ۲۰۲)

تو جناب رضوی بھی یہ ہی کہتا ہے کہ اے فقیہان عصر علیہ ماعلیہ جس چیز کو بھی ممنوع حرام ناجائز مکروہ قرار دو دلیل واضح شرعی پیش کرو۔ مگر اس مطالبہ پر رضوی کو مسلک دشمن قرار دیا جاتا ہے۔

مکروہ تنزیہہ وتحریمہ کا اختلاف: نامعلوم آپ یہ کیسے کہتے ہیں کہ دلائل شرعیہ کی بنیاد پر کسی مسئلہ فروعی میں علماء مکروہ تحریمی وتنزیہی میں مختلف ہوسکتے ہیں۔ یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آتی۔

الجواب: انشاء اللہ العزیز ابھی سمجھ میں آجائے گی۔ جو لوگ رضوی سے حسد رکھنے کی بنا پر رضوی کی بات کو ہوا بنا کر پیش کررہے ہیں اور فتویٰ بازی کی مہم چلا رہے ہیں، وہ خود بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ اکابر علماء اہل سنت نے بھی اپنی تالیفات میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے۔

۱۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے احکام شریعت میں حقہ کے متعلق ایک فتویٰ نقل فرمایا ہے جس میں یہ بھی ہے:

یا بد دانست کہ درمسئلہ کشیدن قلیان کہ اختلاف علماء کاملین بظہور آمدہ اند علامہ شامی در ردالمختار حاشیہ در مختار بعد ازاں کہ فرسودہ:

قد اضطربت آراء العلماء فیہ فبعضھم قال بحرمتہ و بعضھم باباحتہ ویک و دوقول ممانعت ذکر نمودہ (احکام شریعت)

ترجمہ: کہ حقہ کے متعلق علماء کی آراء میں اضطراب ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ حقہ پینا مکروہ ہے بعض نے حرام قرار دیا اور بعض نے مباح۔ بلکہ

۲۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: قدس سرہ العزیز کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ آپ نے حقہ کو مکروہ تحریمہ قرار دیا۔ اسی طرح امام فقہ حنفی علامہ کردری صاحب وجیز علیہ الرحمہ بھی کراہت تحریمی کا قول فرماتے ہیں۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں یہیں سے ظاہر ہے کہ اس وجہ کو موجب کراہت تحریم جاننا سراسر خلاف تحقیق ہے۔ فاضل لکھنوی وسید مشہدی اور کردری سے سخت لغزش وخطا فاحش صادر ہوئی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی طرف نسبت غلط

ہے اور اس سے بھی قطع نظر کیجیے تو مقصود اتباع حق ہے نہ کہ تقلید اہل عصر و اتباع زید و عمر واللہ الھادی (خلاصہ) احکام شریعت ص ۱۷۱۔

۳۔ حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ: جاء الحق میں لکھتے ہیں کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو خود علامہ شامی نے فرمایا ہے، کہا گیا ہے مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا کہ بحر الرائق میں غایت سے نقل کیا (جاء الحق ص ۳۶۲ ب) (۴) (عرفان شریعت ص ۱۰ اپر) اعلیٰحضرت فرماتے ہیں ہاتھی پر سوار ہونا مکروہ ہے اور امام محمد کے نزدیک حرام کہ وہ اسے مثل خنزیر نجس العین مانتے ہیں۔ بہر حال احتراز چاہیے تو جناب میری یہ بات بالکل صحیح ہے کہ مسائل فروعیہ میں علماء المقلدین و آئمہ مجتہدین کا اختلاف رہا ہے اور ہے اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ ہاں بلا اظہار دلیل شرعی اپنی یا کسی عالم کی تحقیق کو منوانا، جبر و تشدد کرنا اور جو نہ مانے اس کے خلاف فتویٰ بازی کی مہم چلانا ظلم عظیم ہے۔

سوکھنے سے زمین پاک ہوجاتی ہے: اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ اَعْرَابِیٌّ " فَبَالَ فِی الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ وَهَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهِ سَجْلاً مِّنْ مَّاءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّاءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک گنوار کھڑا ہوا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کو پکڑنا چاہا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہنے دو اور جہاں اس نے پیشاب کیا ہے ایک ڈول پانی بہادو۔ تمھیں لوگوں پر نرمی کے لیے بھیجے گئے ہے۔ سختی کے لیے نہیں۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) آدمی کا پیشاب نجس ہے (۲) مسجد کو نجس چیزوں سے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے (۳) اگر کسی بے سمجھ آدمی سے کوئی خلاف شرع کام صادر ہوجائے تو اسے نرمی کے ساتھ سمجھا دینا چاہیے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے صحابہ کو روک دیا کہ وہ اسے کچھ نہ کہیں۔ چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے کہ جب وہ اعرابی پیشاب کر چکے تو حضور علیہ السلام نے ان کو بلایا اور فرمایا مسجدیں پیشاب و پاخانہ کے لیے نہیں ہیں بلکہ اللہ کے ذکر، نماز اور قرأت قرآن کے لیے ہیں۔ (۴) اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زمین کی طہارت صرف پانی سے ہوسکتی ہے۔ سوکھنے یا ہوا سے خشک ہونے سے نہیں ہوسکتی۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی و امام مالک کا یہ ہی مسلک ہے

لیکن ظاہر ہے یہ استدلال درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس حدیث کے کسی طرق میں بھی حصر و تخصیص نہیں ہے۔ یعنی اس امر کی قید نہیں ہے کہ زمین صرف پانی بہانے سے ہی پاک ہوگی کسی دوسرے طریقہ سے نہیں ہوسکتی۔ علاوہ ازیں مصنف عبدالرزاق وابن ابی شیبہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

جفاف الارض ظهورها اذا جفت الارض فقد زكت۔

ترجمہ: زمین کا سوکھ جانا اس کی طہارت ہے جب زمین سوکھ جائے تو پاک ہوجاتی ہے۔

اسی لیے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ زمین دھوپ کی گرمی یا آگ کی گرمی یا ہوا سے سوکھ جائے اور نجاست کا اثر یعنی رنگ و بو جاتا رہے پاک ہوگئی، اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔ حدیث زیر بحث میں تو صرف اس امر کا بیان ہے کہ اگر زمین نجاست سے ملوث ہوجائے اور اس پر پانی بہادیا جائے کہ نجاست کا اثر زائل ہو جائے تو زمین پاک ہوجائے گی۔ رہا یہ امر کہ زمین سوکھنے سے بھی پاک ہوجاتی ہے یا نہیں؟ تو حدیث زیر بحث میں نہ اس کی نفی ہے اور نہ اثبات۔ (۵) اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا کہ کپڑوں کو دھوتے وقت نچوڑنا ضروری نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ کپڑے کو زمین پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔ کیونکہ کپڑے کو نچوڑا جاسکتا ہے اور زمین کی یہ کیفیت نہیں ہے۔

کیا شیر خوار بچہ کا پیشاب پاک ہے؟ اس مسئلہ کے متعلق بخاری شریف میں ہے۔

(۱) عَنْ عَائِشه اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا قَالَتْ اُتِیَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِه فَدَعَا بِمَآءٍ فَاَتْبَعَهُ اِيَّاهُ۔ (بخاری)

ترجمہ: (۱) حضرت عائشہ ام المومنین سے روایت ہے کہ ایک بچہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا تو اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگایا اور کپڑے پر جہاں جہاں پیشاب تھا اس پر ڈال دیا۔

(۲) عَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مُحْصَنٍ اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَاكُلِ الطَّعَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فاجلسه رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حَجْرِ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِه فَدَعَا بِمَآءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ۔ (بخاری)

ترجمہ: (۲) ام قیس بنت محصن اپنے لڑکے کو جو ابھی روٹی وغیرہ نہ کھاتا تھا (شیر خوار تھا) بحضور نبوی صلی اللہ علیہ

وسلم آئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی گود میں بٹھایا اس نے پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگایا اور اس کو بہا دیا۔ (دھویا نہیں)

(۱) حدیث اول کو امام نسائی نے طہارۃ میں ذکر کیا ہے اور حدیث دوم کو امام مسلم نے طب و طہارۃ میں اور ترمذی، ابن ماجہ ونسائی نے طہارۃ میں ذکر کیا۔ (۲) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اپنے شیر خوار بچوں کو بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لاتے تھے، تا کہ حضور علیہ السلام بچہ کے لیے دعا فرمائیں اور تحنیک کریں۔ اور حضور ﷺ کی شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ بچہ کو گود میں لے لیتے تھے۔ اور دست رحمت پھیر دیتے تھے علامہ عینی نے لکھا کہ جس کے لیے حضور علیہ السلام دعا فرمائیں۔

يسعد في الدنيا والاخره (عینی جلد ۱ ص ۸۹۴) وہ دین ودنیا میں سعید ہو جاتا تھا۔

ان دونوں حدیثوں سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ شیر خوار لڑکے کا پیشاب پاک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان حدیثوں میں شیر خوار لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑ کنے اور شیر خوار لڑکی کے پیشاب کو دھونے کا بیان آیا۔ اس تفریق سے یہ واضح ہوا کہ شیر خوار لڑکے کا پیشاب پاک ہے اور شیر خوار لڑکی کا پیشاب نجس ہے، لیکن ایسا کہنا درست نہیں۔ اس کے غلط ہونے پر یہی بات کافی ہے کہ اگر شیر خوار لڑکے کا پیشاب پاک ہوتا تو پھر اس پر پانی بہانے کا حکم کیوں دیا جاتا۔ اسی سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ جن حدیثوں میں فرشه عليه. فصبه على البول اور فتصحد کے الفاظ آئے ہیں اس سے دراصل (غسل) دھونا ہی مراد ہے اور لغت میں نہ سہی مگر کلام شارع میں صب رش اور نفع پانی بہانے کے معنیٰ میں آیا ہے۔ نیز حنابلہ وشوافع کی طرف جو یہ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ شیر خوار بچہ کے پیشاب کو پاک قرار دیتے ہیں یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ خود امام نووی علیہ الرحمہ نے اس کی تردید فرمائی اور اس کو نقل باطل قرار دیا اور فرمایا کہ حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اختلاف اس امر میں ہے کہ

الخلاف في كيفية تطهير الذى بال عليه الصبى ولا خلاف في نجاسته (عینی جلد ۱ ص ۸۸۹)

اگر شیر خوار لڑکا پیشاب کر دے تو اس چیز کو کیسے پاک کیا جائے اور شیر خوار لڑکے کے پیشاب کے نجس ہونے میں اختلاف نہیں ہے (نووی شرح مسلم)

اس سے واضح ہو گیا کہ امام شافعی وامام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے متعلق جو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شیر خوار لڑکے کے پیشاب کو پاک قرار دیتے ہیں تو اس شہرت کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ دونوں حضرات شیر خوار لڑکے کے پیشاب پر

صرف پانی چھڑک دینے سے طہارت کا حکم کردیتے ہیں اس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان حضرات کے نزدیک لڑکے کا پیشاب پاک ہوگا۔ جبھی تو صرف پانی چھڑکنے کے حکم پر اکتفا کیا۔ بہر حال یہ بات بالکل یقینی ہے کہ یہ حضرات بھی شیر خوار لڑکے کے پیشاب کو نجس ہی قرار دیتے ہیں۔ البتہ تطہیر کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ صرف پانی چھڑکنے سے طہارت ہو جائے گی۔ اور احناف کا مسلک یہ ہے دھونے سے پاک ہوگا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان میں **فرشه فاتبعه فنصحه** کے لفظ آئے ہیں اس سے مراد معمولی طور پر دھونا ہے اور بعض احادیث میں تو بول غلام وجاریہ میں بظاہر تفریق کی طرف اشارہ یا دلالت بھی موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

(۱) حدیث حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم کے الفاظ یہ ہیں:۔

انه قال فی الوضیع لغیسل بول الجاریة وینضح بول الغلام (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

شیر خوار لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے۔

(۲) حدیث ابی السمح رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہے:۔

یغسل من بول الجاریة و یرش من بول الغلام (ابوداؤد)

شیر خوار لڑکی کا پیشاب دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے۔

(۳) حدیث حضرت ابن عباس میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے کپڑوں یا جسم پر شیر خوار بچہ کا پیشاب (**بول صبی وهو صغیر قصب علیه من المآء بقدر البول**۔ (دارقطنی)) لگ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی بہایا (جس قدر جگہ پیشاب کی تھی اس پر)

(۴) حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے۔

یصب علی البول الغلام و یغسل بول الجاریة (طبرانی)

شیر خوار لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جائے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے۔

ان احادیث کے پیش نظر امام شافعی علیہ الرحمہ نے یہ رائے قائم کی کہ شیر خوار بچہ کا پیشاب اگر کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو اتنی جگہ جہاں پیشاب لگا ہے پانی چھڑک دیا جائے، پاک ہو جائے گا پانی چھڑکنے کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ پر اتنا پانی ڈال دیا جائے جو ٹپکے نہیں بلکہ کپڑے میں ہی جذب ہو جائے۔ اور شیر خوار لڑکی کے پیشاب کو دھویا

جائے اور دھونے کا مطلب یہ ہی ہے کہ پانی کپڑے سے ٹپک پڑے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شیر خوار لڑکی اور لڑکا جب روٹی کھانے لگ جائے تو اس کا پیشاب دھونے ہی سے کپڑا وغیرہ پاک ہوگا۔ صرف پانی چھڑکنے سے طہارت نہ ہوگی۔ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک چھوٹے اور بڑے سب کے پیشاب کا ایک ہی حکم ہے یعنی دھونے ہی سے کپڑا وغیرہ پاک ہوگا۔ اور عقل بھی یہ ہی چاہتی ہے کیونکہ جب لڑکا اور لڑکی شیر خوار نہ ہوں تو ان کے پیشاب میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ لہذا زمانہ شیر خوارگی میں بھی کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔ اور احادیث میں جو رش و نضح کے الفاظ آئے ہیں تو کلام شارع علیہ السلام میں یہ لفظ غسل خفیف کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ لہذا یہاں بھی دھونے کے معنیٰ ہی مراد ہی لیے جائیں گے۔

چنانچہ اس امر کے دلائل کہ رش و نضح غسل کے معنیٰ میں آیا ہے یہ ہیں:

(۱) شرم گاہ کو مذی لگ جائے تو اس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا:

فلینصح فرجه ولیتوضاً (ابوداؤد) چاہیے کہ وہ اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لے پھر وضو کرے

(۲) دوسری حدیث میں فرمایا:

یغسل ذکره ویتوضاء۔ چاہیے کہ شرم گاہ کو دھولے پھر وضو کرے

یہ دونوں حدیثیں ایک ہی سوال کے جواب میں ہیں قصہ بھی ایک ہی ہے اور راوی بھی دونوں کے حضرت علی اور مقداد ابن اسود ہیں۔ ان میں سے ایک میں نضح کا لفظ ہے اور دوسری میں غسل کا معلوم ہوا کہ نضح (چھڑکنے) سے مراد دھونا ہی ہے۔ اسی طرح حدیث سہل بن حنیف میں ہے کہ انھوں نے عرض کی یارسول اللہ کپڑے کو مذی لگ جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ایک کف پانی کا لے کر وہاں وہاں چھڑک دے جہاں جہاں تجھے کپڑے پر مذی لگی ہوئی نظر آئے۔

(۳) یکفیک ان تاخذ کفا من مآء فتنضح به من ثوبک حیث یریٰ انه اصابه (ترمذی)

دیکھو یہاں بھی نضح سے مراد دھونا ہے صرف چھڑکنا نہیں ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور علیہ السلام کے وضو کی کیفیت ان لفظوں میں بیان فرمائی:۔

۴. اخذ غرفةً من ماءٍ فرش علی رجله الیمنیٰ حتیٰ غسلها۔

حضور علیہ السلام نے ایک چلو پانی کا لیا اور اپنے سیدھے پاؤں پر چھڑکا یہاں تک کہ دھو دیا۔

دیکھئے یہاں بھی رش بمعنی غسل کے ہے۔ اسی طرح (نضح ورش) غسل کے معنیٰ میں ان حدیثوں میں بھی وارد

ہوا۔ جو یہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا۔ ثم تنضحه ثم تصلی فیه ثم رشیه وصلی فیه (بخاری)

ان سے ثابت ہوا کہ کلام شارع میں رش ونضح دھونے کے معنیٰ میں آیا۔ پس بول غلام کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان میں بھی رش ونضح دھونے کے معنیٰ میں لینا چاہیے۔ اس کے علاوہ سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک پر ایک سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ جب ان کے نزدیک بھی شیر خوار لڑکے کا پیشاب نجس ہے تو صرف اس پر پانی چھڑک دینے سے فائدہ؟ خصوصاً ایسی صورت میں جب ان کے نزدیک صرف اتنا پانی چھڑکنا چاہیے جو کپڑے کی اتنی جگہ پر جذب ہو جائے جتنی جگہ کو پیشاب نے گھیرا ہے (۲) یہاں اہل علم کے لیے یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ خون حیض کے متعلق بھی حدیث میں تنضحہ کے لفظ آئے ہیں (بخاری کتاب الحیض) اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ خون حیض ناپاک ہے۔ لہذا شیر خوار بچہ کے پیشاب کے متعلق لفظ نضح سے اس کی طہارت کا قول کرنے سے خون حیض کا پاک ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ درست نہیں الغرض احادیث سے احناف کا مسلک ثابت وروشن ہے اور وہ یہ ہی ہے کہ شیر خوار لڑکے اور لڑکی کا پیشاب ناپاک ونجس ہے اور پیشاب سے ملوث کپڑا بہر حال اچھی طرح پانی سے دھونے سے ہی پاک ہوگا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا: عَنْ حُذَیفَةَ قَالَ اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئتُه، بِمَاءٍ فَتَوَ ضَّأَ.

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوڑا جمع ہونے کی جگہ پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ پھر پانی منگایا، میں پانی لایا آپ نے وضو فرمایا۔ (بخاری)

(۱) امام بخاری نے متعدد بار اس حدیث کو کتاب الطہارۃ میں لکھا ہے۔ ترمذی، مسلم، ابن ماجہ، نسائی نے بھی کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے۔ یہ اور اس مضمون کی دو ایک حدیثیں اور بھی بخاری میں ہیں جن میں حضور علیہ السلام کا کھڑے ہو کر پیشاب فرمانے کا ذکر ہے۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

(۱) حضرت سعید بن میتب، عروہ، محمد بن سیرین، زید ابن اصم، عبیدۃ السلمانی، امام نخعی، احاکم، شعبی وامام احمد کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مباح قرار دیتے ہیں۔ حضرت علی وانس وابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی کھڑے ہو

کر پیشاب کرنا مروی ہے (۲) امام مالک علیہ الرحمتہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں چھینٹیں نہ لگیں تو حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے (۳) ابن المنذر نے کہا بیٹھ کر پیشاب کرنا اچھا ہے اور کھڑے ہو کر کرنا مباح ہے۔ حضور علیہ السلام سے دونوں طرح ثابت ہے (۴) عامہ علماء حنفیہ بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ تنزیہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہ ہی مسلک ہے۔ (عینی جلد ا ص ۷۹۴)

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جو تم سے یہ بیان کرے کہ حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا اس کی تصدیق مت کرو۔ ما کان یبول قاعدًا۔ (رواہ الخمسہ)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ھی رسول اللہ صلی اللہُ علیہ وسلم ان یبول الرجل قائما ...... کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا (ابن ماجہ) لیکن اس حدیث کی اسناد میں عدی بن الفضل ہے جو متروک ہے۔

(۳) حدیث بریدہ جس کو بزار نے بسند صحیح روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تین باتیں جفا سے ہیں۔ ان یبول الرجل قائما (یہ کہ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے) علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے مگر بزار نے بسند صحیح روایت کیا ہے (عینی جلد ا ص ۸۹۶)۔ ۴۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب مت کرو۔

یا عمر لا تبل قائما قال فما بلت قائما بعد (بیہقی)

تو پھر میں نے اس کے بعد کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

لیکن امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن جریج۔ عبد الکریم بن امیہ سے روایت کرتے ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔ عبد الکریم نے اس حدیث کا رفع کیا ہے۔ مگر ایوب نے ان میں کلام کیا اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۵۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:۔

(۱) مَا بال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائما منذ انزل علیہ القرآن۔

ترجمہ: کہ نزول قرآن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

حدیث ہذا کو ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا اور دار قطنی وغیرہ نے اس کو صحیح کہا۔

۶۔ابن ماجہ نے بعض مشائخ سے نقل کیا کہ عربوں کی عادت کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی تھی اور نسائی وابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر پیشاب کیا تو ہم نے کہا:۔

فقلنا انظر و الیہ یبول کما تبول المرأۃ۔

دیکھو حضور تو ایسے پیشاب کر رہے ہیں جیسے عورتیں کرتی ہیں (یعنی بیٹھ کر)

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فرمایا اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن حسنہ نے روایت کیا اور یہ صحیح ہے دار قطنی نے اس کو صحیح کہا (نیل الاوطار جلد ا ص ۸۸) (۷) اور حضرت ابو موسیٰ سے منقول ہے انھوں نے ایک شخص کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا برائی ہو بیٹھ کر کیوں نہیں کرتا۔ **و یحک افلا قائدًا۔**

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے ان تمام توضیحات کے بعد فرمایا کہ کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر دونوں طرح پیشاب کرنا جائز ہے اور اکثر علماء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے **لوجود احادیث النھی و اکثرھا غیر ثابتٍ۔** فافہم......غرضیکہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت کی حدیث صحیح ہو جائے تو پھر تو یہ فعل مکروہ تحریمہ ہوگا اور اس کا قول نہیں کیا بلکہ امام نسائی علیہ الرحمۃ نے تو باب الرخصۃ فی البول فی الصحراء قائما کا عنوان قائم کیا ہے اور علامہ سندھی نے دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق دی ہے۔

(۲) کہ حدیث حذیفہ محمول ہے خارج بیت پر اور حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس میں یہ آیا کہ حضور علیہ السلام بیٹھ کر پیشاب فرماتے تھے یہ محمول ہے بیت پر۔ فافہم (۳) ہاں بعض علماء نے حدیث مستدرک کو سامنے رکھ کر یہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا کھڑے ہوکر پیشاب فرمانا کسی عذر کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ حدیث مستدرک للحاکم میں آیا آیا **کان لوجع فی ما بصنہ** یعنی گھٹنوں کے اندرونی حصہ میں حضور کو تکلیف تھی۔ اس لیے بحالت قیام پیشاب فرمایا۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن بیان احتمالات کا فائدہ دے سکتی ہے۔

(۴) البتہ بعض صلحاء امت نے اس معاملہ میں سختی بھی کی ہے تو اس کی وجہ یہ ہو کہ ان کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا نصاری کا شعار ہو۔ لیکن اس کے باوجود اگر اس معاملہ میں سختی کی جائے تو پھر بھی مکروہ تنزیہہ سے زیادہ کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ (اور اگر شعار مانا بھی جائے تو بھی ہر شعار کا حرام ہونا ضروری نہیں ہے۔ پھر شعار میں قصد و نیت کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے)

ا حدیث نمبر ا و نمبر ۵ دوسری حدیثوں کے متعارض نہیں ہیں کیونکہ حضرت عائشہ اپنا مشاہدہ بیان فرما رہی ہیں اور ان کا مشاہدہ ظاہر ہے کہ گھر ہی سے متعلق ہوسکتا ہے۔ اور گھر سے باہر کا حال انہیں معلوم نہیں۔

صدقات وخیرات کے آداب وفضائل

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰاتِ مَا کَسَبۡتُمۡ۔

اے ایمان والواپنی پاک کمائی سے کچھ راہ خدا میں دو!

حضرت سید المفسرین ابن عباس نے فرمایا اس آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ صدقہ وخیرات پاک وعمدہ مال سے دیا جائے...... حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اے اللہ کے نبی اگر کسی کے پاس مال نہ ہو (تو وہ کیا کرے) آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے محنت کرے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ صحابہ نے کہا اگر یہ بھی نہ ہو سکے، آپ نے فرمایا کسی مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کرے۔ صحابہ نے کہا اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپ نے فرمایا اچھی باتوں پر عمل کرے اور بری باتوں سے اجتناب کرے۔ اس کے لیے یہی صدقہ ہے۔ (بخاری)

ریاء ونمود صدقہ: قرآن مجید میں فرمایا گیا: لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی (الخ) اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کرو، احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس آیت سے واضح ہوا کہ جو لوگ ریاء نمود کے لیے صدقہ وخیرات کرتے ہیں کہ سخی کہلائیں اور لوگ ان کی تعریف کریں تو ایسی خیرات بیکار ہے۔ اس نیت سے خیرات کرنے کی مثال یہ ہے کہ جیسے پتھر پر دانہ بویا اور زور کی بارش ہوگئی تو دانہ بہ جاتا ہے۔ اور پتھر صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ریاء ونمود کی خیرات ضائع ہو جاتی ہے۔ یوں ہی کسی غریب ومسکین کی امداد واعانت کر کے اس کو جتلانا اور بار بار سنا کر اس کو شرمندہ کرنا بھی ثواب کو ضائع کرنا ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ اس آیت میں اللہ عزوجل اس شخص کو (جو کہ احسان جتا کر ثواب صدقہ کو باطل کر دیتا ہے، اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو ریاء ونمود کے لیے صدقہ کرتا ہے اور مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے لہذا ریاکار یقیناً اس سے بدتر قرار پائے گا۔

۳۔ قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّ مَغۡفِرَۃٌ خَیۡرٌ مِّنۡ صَدَقَۃٍ یَّتۡبَعُھَآ اَذًی وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیۡمٌ۔

اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا دینا ہو اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور حلیم ہے۔ اس آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر سائل کو کچھ نہ دیا جائے تو اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنی چاہیے اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہیے اور اگر وہ سوال میں اصرار کرے یا زبان درازی کرے تو درگزر کرنا چاہیے اور اچھی بات

کہنا اور در گزر کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کا احسان جتایا جائے اور بار بار سنا کر اس کو شرمندہ کیا جائے۔

۴۔ یَمحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰو وَ یُرْبِی الصَّدَقَاتِ (قرآن) اللہ تعالیٰ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو

یہ آیت (سورہ بقرہ پ ۳ رکوع ۳۸) کی ہے۔ ''سود کو ہلاک کرتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ سود کو برکت سے محروم کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ سودی مال سے نہ صدقہ قبول کرے نہ حج نہ جہاد نہ صلہ۔ اور صدقہ کو بڑھاتا ہے'' کے معنی یہ ہیں کہ اس میں برکت عطا فرماتا ہے۔ دنیا و آخرت میں انکا اجر و ثواب بڑھاتا ہے لہذا صدقہ و خیرات حلال و پاکیزہ کمائی سے ادا کرنا چاہیے تاکہ وہ بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت پائے۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ کَسْبٍ طَیِّبٍ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا لِصَاحِبِهٖ کَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّهٗ، حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پاکیزہ کمائی میں سے کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے اور اللہ بجز پاکیزہ صدقہ کے اور کچھ قبول نہیں کرتا تو یقیناً اللہ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ پھر صدقہ دینے والے کے فائدہ کے لیے اس کو پالتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنا بچھڑا پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ صدقہ (کھجور) پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

اس حدیث میں پاکیزہ کمائی سے صدقہ کو گھوڑے کے بچہ کے ساتھ تشبیہ دینے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ جو خیرات پاکیزہ کمائی سے کی جائے وہ بحضور رب العالمین شرف قبولیت پاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرماتا ہے اور خیرات کرنے والے کے خلوص کے مطابق ثواب میں اضافہ در اضافہ فرماتا جاتا ہے۔

امور خیر کی انجام دہی میں تاخیر نہ کی جائے: امور خیر کی انجام دہی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ جس نیک کام کے کرنے کا ارادہ کر لیا گیا ہے اس کو بہت جلد عملی جامہ پہنا دینا چاہیے۔ کیا خبر کل کیا صورت پیش آئے اور کیا خبر کہ ایسا زمانہ بھی آ جائے کہ صدقہ و خیرات کا قبول کرنے والا کوئی نہ رہے۔ حضور نے فرمایا:

تَصَدَّقُوْا فَاِنَّهٗ یَاْتِیْ عَلَیْکُمْ زَمَانٌ ''یَمْشِیْ الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهٖ فَلَا یَجِدُ مَنْ یَّقْبَلُهَا یَقُوْلُ الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْاَمْسِ لَقَبِلْتُهَا فَاَمَّا الْیَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِیْ فِیْهَا۔ (بخاری)

ترجمہ: صدقہ کرو کیونکہ تم پر ایک ایسا زمانے آنے والا ہے کہ آدمی اپنا صدقہ لے کر چلے گا اور کوئی ایسا شخص نہ ملے گا جو اس صدقہ کو قبول کرے جس کو دینے لگے گا وہ کہے گا اگر تو یہ صدقہ کل لے آتا تو میں قبول کر لیتا لیکن آج کے دن مجھے اس کی ضرورت نہیں (بخاری)

حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ حضورﷺ کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے۔ ایک نے تو اپنی غربت کا شکوہ کیا اور دوسرے نے راستے کی بدامنی کی شکایت کی۔ حضورﷺ نے جواب میں فرمایا۔ راستہ کی بدامنی تو تھوڑی مدت کے لیے ہے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ تک قافلہ جائے گا اور کوئی ضمانت کے طور پر ساتھ نہ ہوگا۔ رہی غربت تو قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی کہ تم میں سے کوئی اپنا صدقہ لیے پھرے گا اور کوئی اس کو قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

ثُمَّ لَیَقِفَنَّ اَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَہٗ حِجَابٌ وَّ لَا تَرْجُمَانٌ یُتَرْجِمُ لَہٗ ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ لَہٗ اَلَمْ اُوْتِکَ مَالًا فَلَیَقُوْلَنَّ بَلٰی ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ اَلَمْ اُرْسِلْ اِلَیْکَ رَسُوْلًا فَلَیَقُوْلَنَّ بَلٰی فَیَنْظُرُ عَنْ یَّمِیْنِہٖ فَلَا یَرٰی اِلَّا النَّارَ ثُمَّ یَنْظُرُ عَنْ شِمَالِہٖ فَلَا یَرٰی اِلَّا النَّارَ فَلْیَتَّقِیَنَّ اَحَدُکُمُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ پھر (قیامت کے دن) تم میں سے کوئی اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا۔ اس میں اور اللہ کے درمیان میں کوئی پردہ نہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان ہوگا جو اس کی ترجمانی کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو مال نہیں دیا تھا؟ وہ کہے گا ہاں اے اللہ دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے رسول نہیں بھیجے تھے؟ وہ کہے گا ہاں یا اللہ بھیجے تھے۔ پھر اپنی داہنی جانب دیکھے گا تو بجز آگ کے کچھ نہ دیکھے گا پھر بائیں جانب دیکھے گا تو سوائے آگ کے کچھ نظر نہ آئے گا۔ تم میں سے ہر ایک کو دوزخ سے بچنا چاہیے۔ اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی۔ اگر کھجور بھی نہ ہو تو پاکیزہ بات ہی کہہ دے۔

وَ یُرَی الرَّجُلُ الْوَاحِدُ یَتْبَعُہٗ اَرْبَعُوْنَ اِمْرَاَۃً یَّلُذْنَ بِہٖ مِنْ قِلَّۃِ الرِّجَالِ وَکَثْرَۃِ النِّسَآءِ (بخاری)

ترجمہ:۔ اور اس زمانہ میں ایک آدمی دیکھا جائے گا جس کی پناہ میں چالیس عورتیں ہوں گی۔ مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت کی وجہ سے۔

(۱) ان احادیث میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی ہے کہ اس وقت کو غنیمت سمجھو اور جتنی ہو سکے خیرات کرلو ورنہ ایسا وقت بھی آنے والا ہے کوئی صدقہ قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ اور ایسا ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔

ایک نشانی ہے کہ جب مال و دولت کی فراوانی ہو جائے گی۔ جنھیں اللہ نے مال دیا ہے تو ان کو چاہیے کہ وہ ہر سال زکوٰۃ باقاعدہ ادا کرتے ہیں اور جن کا ان پر حق ہے اس کو بھی پورا کریں۔ ورنہ یہی مال و دولت قیامت کے دن وبال جان بن جائے گا۔ ولو بشق تمرۃ کا مطلب یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ کھجور کا نصف حصہ بھی اگر صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی قبول فرمالیتا ہے اور اگر کوئی اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو کلمہ طیبہ۔ اچھی بات ہی کہہ دے۔ یعنی غریب و مسکین کو نرمی سے جواب دے دے کہ بھائی معاف کرو۔ میرے پاس تو اس وقت کچھ ہے نہیں تو محتاج کو نرمی سے جواب دینا جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْہَرْ (پ ۳۰) یعنی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی حتیٰ کہ ایک مرد کے انتظام میں چالیس عورتیں ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ چالیس عورتوں کے نان نفقہ کا انتظام ایک مرد کو کرنا پڑے گا اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔

نصف کھجور کا حصہ ہی صدقہ دو: اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو تھوڑا سمجھ کر ثواب صدقہ سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جیسے کثیر کو قبول فرماتا ہے اسی طرح قلیل کو بھی قبول فرماتا ہے۔ بشرطیکہ اخلاص ہو، ریا و نمو سے پاک ہو۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صدقہ و خیرات کی ترغیب و تلقین پا کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنی وسعت و ہمت کے مطابق خیرات کرتے تھے۔ بعض صحابہ امیر تھے وہ بڑی بڑی رقمیں راہ خدا میں دیتے تھے اور جو غریب تھے وہ بھی محنت مزدوری کر کے کچھ کمالات اور اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے تاکہ صدقے کے ثواب سے محروم نہ رہ جائیں۔ لیکن جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آٹھ ہزار درہم یا چالیس اوقیہ سونا صدقہ کیا تو منافق ان کو ریا کار کہنے لگے۔ ابو عقیل انصاری اور ابو خیثمہ غریب آدمی تھے۔ دل میں شوق پیدا ہوا کہ ہم بھی صدقہ کریں تو کنوئیں سے پانی نکال کر بطور مزدوری دو صاع کھجور یا جو لائے۔ ایک صاع تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا اور ایک صاع راہ خدا میں دے دیا منافقین نے ان کو ازراہ مذاق کہا کہ یہ تھی انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہتے ہیں ان کے ایک صاع کی اللہ کو کیا ضرورت ہے اس پر سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا۔

وَالَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ

(الخ)

ترجمہ: جولوگ خوشی سے صدقہ دینے والوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان غریب مسلمانوں پر جن کو محنت کی کمائی کے سوا زیادہ مقدور نہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ و خیرات سے بے نیاز ہے اس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے مگر وہ تو دل کی نیت اور اس کے خلوص کو دیکھتا ہے۔ ایک صاع کھجور تو بہت ہے۔ اگر کوئی خلوص کے ساتھ ایک کھجور یا اس کا نصف حصہ بھی راہ خدا میں دے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی قبول فرماتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ (بخاری)...... جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا نصف حصہ ہی صدقہ دے کر...... اِتَّقُوا النَّار کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اہل حقوق کا کسی پر کھجور کا ایک ٹکڑا بھی آتا ہے تو اس کو بھی ادا کر کے جہنم سے بچاؤ کی فکر کرو۔ کیونکہ اس قلیل سے حق کے باقی رہ جانے سے بھی جہنم واجب ہو سکتی ہے۔ (۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کا ایک پیسہ بھی کسی پر آتا ہے تو اس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کو ادا کرنا واجب ہے تا کہ آخرت میں باز پرس نہ ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ وہ مانگ رہی تھی۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ ایک کھجور تھی وہ میں نے اس کو دے دی اس نے اس کھجور کے دو حصے کر کے دونوں بیٹیوں کو دے دیے اور خود نہ کھائی۔ پھر چلی گئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے میں نے اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا:

مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ (بخاری)

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی بیٹیوں کی وجہ سے کسی آفت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اس کے لیے دوزخ سے آڑ ہوں گی۔ صدقہ قلیل بھی اگر خلوص کے ساتھ کیا جائے تو وہ بھی بارگاہ خداوندی میں قبول ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس وقت ایک کھجور تھی جو انھوں نے ایک بھکاری عورت کو دے دی تا کہ وہ مایوس نہ لوٹے۔ اور حضور نے ان کے اس صدقہ پر اعتراض نہیں فرمایا۔ حدیث کے جملے میں ابتلیٰ کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیوں کا ہونا بظاہر ملال کا باعث ہوتا ہے کہ نہ جانے ان کے نصیب کیسے ہوں گے؟ لیکن اس تکلیف پر بھی صبر کرنا حوصلہ سے کام لینا اور لڑکیوں کو بھی لڑکوں کی طرح چاہنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا اور ان کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔

موت سے پہلے صدقہ دو: تندرستی کی حالت میں اور ایسے وقت میں صدقہ افضل ہے جب کہ مال کمانے کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ حصول مال کی حرص اور خواہش یہ تقاضا کرتی ہے کہ بہر حال مال کو روکا اور جمع کیا جائے۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ. يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ" لَّا بَيْعٌ" فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ" (قرآن مجید)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہم نے تمھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ موت کے آنے سے پہلے (اور سورۂ بقر میں فرمایا) اے ایمان والو ہم نے تمھیں جو دیا اس میں سے خرچ کرو،

اس دن سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہے اور نہ کافروں کے لیے دوستی اور شفاعت۔

ان دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ صدقہ و خیرات میں جلدی کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور آدمی کف افسوس ملے اور کہے کہ کاش میں اگر اور زندہ رہتا تو ضرور صدقہ کرتا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ" اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تُصَدَّقَ وَ اَنْتَ صَحِيْحٌ" شَحِيْحٌ" تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے ایک شخص بحضور نبوی حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا صدقہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا جب تو تندرستی میں مال کی خواہش ہوئے محتاجی سے ڈر کر مالداری کی طمع رکھ کر صدقہ کرے۔ اور اتنی دیر مت کر کہ جان حلقوم تک آپہنچے، اس وقت تو کہے کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا اور اب تو فلانے کا مال ہو ہی چکا۔ (بخاری)

مطلب حدیث یہ ہے کہ خلوص نیت سے صدقہ کرنا تو بہر حال باعث اجر و ثواب ہے مگر ایسے وقت میں جبکہ آدمی صحیح و تندرست ہوتا ہے اور حصول دولت کی کوشش کرتا ہے اور مال جمع کرنے کی حرص اپنے شباب پر ہوتی ہے اور مال دولت کی اس کو ضرورت بھی ہوتی ہے۔ صدقہ کرنا اور بھی زیادہ ثواب کا سبب ہوتا ہے کیونکہ مال کی حرص صدقہ دینے سے روکتی ہے۔ سرمایہ پرست افراد عمر بھر تو بخل سے کام لیتے ہیں اور جب موت کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ اتنا فلاں فلاں کو دے دینا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں مومن کی یہ کیفیت نہیں ہونی چاہیے۔ زندگی میں اپنے ہاتھ

سے دے جانا ہی اچھا ہے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر خیرات: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مِنْ طَعَامِ بَیْتِهَا غَیْرَ مُفْسِدَةٍ کَانَ لَهَا اَجْرُهَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا اَجْرُهٗ بِمَا کَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَالِکَ لَایَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَیْئًا (بخاری)

جب کوئی عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے خرچ کرے۔ بشرطیکہ اس کی نیت برباد کرنے کی نہ ہو تو اس کو اس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اس کے خاوند کو کمائی کی وجہ سے اجر ملے گا اور کوئی دوسرے کے ثواب کو کم نہیں کرے گا۔ (بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر شوہر کے مال میں سے بیوی صدقہ دے دے تو اس کو ثواب ملے گا۔ لاینقص الخ...... کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں کا ثواب برابر ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت کے مطابق ملے گا۔ بیوی شوہر کے مال میں سے اس کی بلا اجازت کسی ایسی چیز کو راہ خدا میں دے دے جس کی اجازت شوہر کی طرف سے ازروئے عرف ہوا کرتی ہے تو جائز ہے مثلاً کوئی فقیر آیا تو کھانا وغیرہ یا کچھ پیسے دے دے۔

غیر مفسدۃ کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کی نیت شوہر کے مال کو ضائع کرنا اور بے دردی سے خرچ کرنا نہ ہو۔ یعنی دستور وعادت سے زیادہ خرچ کر کے شوہر کا نقصان نہ کرے۔ اتنی خیرات نہ کرے جو خاوند پر بھاری ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ بیوی کو عام طور پر عادتاً جس قدر کی اجازت ہوتی ہے۔ اس سے زائد کی خیرات بلا اجازت شوہر جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ شوہر نے کلی طور پر اجازت دے دی ہو کہ جس طرح مناسب خیال کرو، خرچ کرسکتی ہو۔

صدقہ وخیرات کی حد: صدقہ وخیرات کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اس طرح صدقہ وخیرات نہ کیا جائے کہ خود محتاج ہو جائے اور اہل وعیال بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَاکَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنیً (احمد) وَمَنْ تَصَدَّقَ وَ هُوَ مُحتَاجٌ " اَوْ اَهْلُهٗ مُحْتَاجٌ " اور عَلَیْهِ دَیْنٌ " فَالدَّیْنُ اَحَقُّ اَنْ یُقْضٰی مِنَ الصَّدَقَةِ وَالْعِتقِ وَالْهِبَةِ وَهُوَ رَدٌّ " عَلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ اَنْ یُتْلِفَ اَمْوَالَ النَّاسِ (بخاری)

ترجمہ: بہتر صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی مالدار رہے اور جو شخص ضرورت مند ہو کر صدقہ کرے یا اس کے بال بچے اس صدقہ کے ضرورت مند ہوں یا وہ مقروض ہو تو ایسا صدقہ درست نہیں بلکہ قرض ادا کرنا صدقہ اور آزادی اور بخشش پر مقدم ہوگا اور اس کا صدقہ اس کو واپس کر دیا جائے گا۔ اور اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ صدقہ کر کے لوگوں کے مالوں کو برباد کر دے۔

شرائط خیرات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خود محتاج نہ ہو نہ اس کے اہل و عیال محتاج ہوں اور اس پر قرضہ بھی نہ ہو۔ تو اگر اس پر قرض ہے تو واجب ہے کہ پہلے قرض ادا کرے۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی واجب ہے اور واجب کی ادائیگی نفل پر مقدم ہے۔ حدیث کے الفاظ فھو ردعلیہ میں اسی کا بیان ہے۔

لہذا نفلی صدقہ دینے والوں کو چاہیے کہ پہلے وہ اپنا قرض ادا کریں اس کے بعد اہل و عیال پر خرچ کریں پھر بھی اگر بچت ہو تو صدقہ کر سکتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعْرُوْفًا بِالصَّبْرِ فَيُؤْثِرُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَلَوْ كَانَ بِهٖ خَصَاصَةٌ" كَفِعْلِ اَبِىْ بَكْرٍ حِيْنَ تَصَدَّقَ بِمَالِهٖ وَكَذٰلِكَ اٰثَرَ الانصارُ الْمُهَاجِرِيْنَ تَصَدَّقَ بِمَالِهٖ۔ (بخاری)

ترجمہ: جو شخص لوگوں کے مال برباد کرنے کی نیت سے لے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو برباد کرے گا ہاں جو شخص صبر اور تکلیف برداشت کرنے میں مشہور ہو اور وہ اپنی حاجت پر کسی حاجت مند کی حاجت کو ترجیح دیتا ہے تو جائز ہے جیسے سیدنا ابوبکر صدیق نے اپنا سارا مال صدقہ کر دیا تھا اور اسی طرح انصار نے مہاجرین کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم کیا تھا۔ (بخاری)

مطلب یہ کہ عام حکم تو یہی ہے کہ اس طرح صدقہ و خیرات نہ کرے کہ خود محتاج ہو جائے اور اہل و عیال بھوکے مرنے لگیں اور بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں۔ تاہم اگر کوئی شخص ایسے ضبط و صبر کا مالک ہو کہ اپنی حاجت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دے اور مفلس ہو جانے کے باوجود صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے تو اس کو کل مال راہ خدا میں دے دینا جائز ہے۔ جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر نے اپنا کل مال راہ خدا میں دے دیا تھا۔

ترمذی و ابوداؤد و حاکم کی حدیث کا مضمون ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج میں ابوبکر سے بڑھ کر صدقہ دوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنا آدھا مال بحضور نبوی صلی

اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے عمر تم اپنے بال بچوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے۔ میں نے عرض کی نصف مال حضرت ابو بکر سے بھی یہ ہی سوال ہوا تو انھوں نے عرض کی جو کچھ تھا حاضر کر دیا ہے اور بال بچوں کے لیے

اَبقَیتُ لَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولَه' اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں

پروانہ کو چراغ عنادل کو پھول بس صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

اور یہی کیفیت انصار کی تھی۔ انھوں نے اپنے مال و جائیداد میں مہاجرین کو شریک کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک انصاری نے ایک مہاجر سے یہ کہا میرے نکاح میں دو عورتیں ہیں جس کو تم کہو میں طلاق دے دوں تم اس سے نکاح کر لو۔ مہاجر نے جواب دیا نہیں اللہ تم کو مبارک کرے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاری نے بھی اپنی تمام دولت راہ خدا میں دے دی تھی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَیُؤثِرُونَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَو کَانَ بِهِمْ خَصَاصَة۔

اس سے واضح ہوا کہ اپنی ذات پر اگر اتنا بھروسہ ہو کہ محتاج ہو جانے کے باوجود صبر و شکر اور ضبط سے کام لے گا تو ایسے اشخاص کے لیے کل مال کو راہ خدا میں دے دینا جائز ہے۔

کل مال راہ خدا میں دینا مناسب نہیں: حضرت کعب بن مالک نے عرض کی۔ یا رسول اللہ (جنگ تبوک سے پیچھے رہنے کی) توبہ میں اس طرح کرتا ہوں کہ اپنا

قَالَ اَمْسِکْ عَلَیْکَ بَعْضَ مَالِکَ فَهُوَ خَیْرٌ لَکَ قُلْتُ فَاِنِّی اُمْسِکُ سَهْمِیَ الَّذِی بِخَیْبَرَ۔ (بخاری)

ترجمہ: مال اللہ اور رسول پر قربان کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کچھ تھوڑا بہت مال رہنے دے وہ تیرے حق میں بہت بہتر ہے۔ میں نے عرض کی تو میں اپنا خیبر والا حصہ (اپنے لیے) رہنے دیتا ہوں۔ (بخاری)

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ اپنے کل مال کو راہ خدا میں دے دینا اور خود محتاج ہو جانا ٹھیک نہیں۔ بہتر طریقہ بلکہ شریعت کی عام ہدایت سب کو یہی ہے کہ راہ خدا میں خرچ کرے مگر اس طرح کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی گزر بسر بھی ہوتی رہے۔

قَالَ الْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ وَخَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًی وَّ

مَنْ یَّسْتَعْفِفْ یُعِفَّهُ اللّٰہُ وَمَنْ یَّسْتَغْنِ یُغْنِهُ اللّٰہُ۔ (بخاری)

ترجمہ: اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور پہلے اپنے اہل وعیال کو دے اور بہترین صدقہ وہ ہے کہ جس کے بعد بھی مالدار ہی رہے اور جو کوئی سوال کرنے سے بچنا چاہے گا۔ اللہ اسے بچائے گا اور جو شخص بے پرواہی چاہے گا اللہ اس کو بے پرواہ کردے گا۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ بہترین طریق کار یہ ہے کہ آدمی اس طرح خرچ کرے کہ خود اور اس کے اہل و عیال محتاج نہ ہو جائیں (۲) جن لوگوں کا نان ونفقہ واجب ہے (بیوی بچے وغیرہ) پہلے ان کے اخراجات پورے کرنے چاہئیں۔ عام طور پر لوگ یاروں دوستوں پر خوب خرچ کرتے ہیں اور بیوی بچوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ بہت ہی غلط طریقہ ہے (۳) ید علیا سے مراد دینے والا ہاتھ ہے اور لینے والا ہاتھ ید سفلیٰ ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ سوال کرنا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ ویسے بھی جو شخص کما کھا سکتا ہے اس کو سوال جائز نہیں (۴) من یستعفف کے معانی حرام سے بچنے اور سوال کرنے سے بچنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے جو صبر وضبط سے کام لے گا اور سوال کرنے کی بجائے خود کمانے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوشش وسعی میں برکت عطا فرمائے گا اور غیر کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے گی۔

صدقہ وخیرات پہلے اپنے عزیز واقربا کو دینا چاہیے: حدیث زیر بحث میں ابداء بمن تعول کے الفاظ بھی ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو پہلے اپنے اہل وعیال کے اخراجات وضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد دوسروں کو دینا چاہیے کیونکہ بیوی بچوں کا نفقہ واجب ہے اور صدقہ وخیرات نفل ہے۔

نسائی کی حدیث کا مضمون ہے ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے پاس ایک دینار ہے۔ کہاں خرچ کروں؟ فرمایا اپنے اوپر خرچ کرو۔ اس نے عرض کی ایک اور ہے فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ عرض کی ایک اور ہے فرمایا اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ عرض کی ایک اور ہے فرمایا اپنے غلام لونڈی اور نوکر چاکر پر خرچ کرو۔ عرض کی ایک اور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بہ نسبت دوسروں کے تجھ سے زیادہ تعلق دار اور مستحق ہو اسے دے دے (یعنی) ایک اور حدیث میں فرمایا اے امت محمد مجھے اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار اس کے سلوک کرنے کے محتاج ہوں اور یہ غیروں کو دے۔ قسم ہے اس کی جس کے دست

قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا......ان حدیثوں سے واضح ہوا کہ زکوٰۃ وخیرات وغیرہ میں افضل یہ ہے کہ اولاً اپنے عزیز واقرباء کو دی جائے۔صدقات نافلہ کی رقم وغیرہ تو اپنے ہر عزیز اور رشتہ دار کو دے سکتے ہیں۔ماں، باپ، بھائی بہن اصول وفروغ غرضیکہ سب کو دی جا سکتی ہے......البتہ زکوٰۃ و فطرانہ وصدقات واجبہ اپنے اصول وفروع، ماں، باپ، دادادادی، نانا، نانی وغیرہ جن کی اولاد میں یہ خود ہے اور اپنی اولاد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہم کو نہیں دے سکتے۔صدقہ نفل دے سکتے ہیں۔بلکہ انہیں دینا بہتر وافضل ہے۔نیز زکوٰۃ، فطرانہ، صدقات واجبہ کی رقوم حسب ذیل رشتہ داروں کو دی جا سکتی ہے۔جبکہ وہ محتاج ہوں، صاحب نصاب نہ ہوں۔بلکہ ان رشتہ داروں کو دینا افضل وبہتر ہے وہ رشتہ دار یہ ہیں: بھائی، بہن، ان کی اولاد، چچا، پھوپھی، ان کی اولاد، ماموں، خالہ ان کی اولادوغیرہ۔

راہ خدا میں دے کر احسان جتانا مذموم ہے: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ پھر وہ خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں۔

ثُمَّ لَايَتبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوا مَنًّا وَّ لَا اَذًى (الآیۃ) نہ جس کو دیا اس کو ستاتے ہیں (اخیر آیت تک)

اس آیت سے واضح ہوا کہ کسی غریب ونادار کی امداد واعانت کر کے اس کو جتانا یا نیک کام کر کے اپنی ناموری کے لیے اس کی تشہیر کرنا مذموم ہے۔مسلم شریف میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے آدمیوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا۔اول وہ کہ جو دے کر احسان جتلائے۔دوم جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔سوم (از راہ تکبر) ٹخنے سے نیچے ازار رکھنے والا۔

خیرات وصدقات میں جلدی کی جائے! حضرت عقبہ بن حارث نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی۔پھر جلدی سے باہر تشریف لے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں باہر سے تشریف لائے۔

فَقَالَ كُنْتُ خَلَّفْتُ فِی الْبَيْتِ تِبْرًا مِّنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُبَيِّتَه' فَقَسَمْتُه' (بخاری)

میں نے یا اور کسی نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا صدقہ کے مال میں سے ایک سونے کی ڈلی گھر میں چھوڑ آیا تھا مجھے برا معلوم ہوا کہ وہ رات کو میرے پاس رہے۔میں نے اس کو تقسیم کردیا۔

غربا پروری، بے کس نوازی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعظم اخلاق سے تھی۔ فیاضی اور سخاوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت ثانیہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن ابی کہتے ہیں کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں حضور ﷺ کو عار نہ تھا...... ایک دفعہ حضور ﷺ نماز کے لیے تیار ہوئے۔ ایک بدو آیا دامن اقدس تھام کر عرض کی۔ میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ بھول جاؤں پہلے اسے کر دیجئے حضور اس بدو کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس کا کام سر انجام فرما کر پھر نماز ادا فرمائی۔

آتا ہے غریبوں پہ انہیں پیار کچھ ایسا　　　خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

حدیث زیر بحث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی شان کا بیان ہے اور اس سے امت کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ صدقہ وخیرات میں جلدی کرنا افضل و بہتر ہے۔ راہ خدا میں جو دینا ہو جلدی دے دو ٹال مٹول سے کام نہ لو۔ معلوم کیا دل کی کیا کیفیت ہو اور شیطان وسوسہ ڈال کر نیکی سے روک ہی دے۔

نیک کام کے لیے چندہ کرنا سنت ہے: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عید کی نماز کے لیے حضور علیہ السلام شہر سے باہر تشریف لائے۔

لَمْ يُصَلِّ قَبْلُ وَلا بعدُ ثُمَّ مَالَ عَلَى النِّسَآءِ وَ بَلَالٌ مَعَهٗ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ اَنْ يَّتَصَدَّقْنَ فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقَلْبَ وَالْخُرْصَ (بخاری)

وہاں نماز عید دو رکعتیں ادا کیں اور آپ نے نفل نہیں پڑھے۔ پھر آپ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے بلال آپ کے ساتھ تھے آپ نے ان کو نصیحت کی اور صدقہ کرنے کا حکم دیا تو کوئی عورت اپنا کنگن دینے لگی اور کوئی بالی۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نیک کام کے لیے صدقہ وخیرات کی تلقین کرنا لوگوں کو ترغیب دلانا اور غربا کی امداد و اعانت کے لیے لوگوں سے کہنا سنت رسول ہے۔

(۲) ابو بردہ بن ابی موسیٰ اپنے والد سے راوی ہیں جب بحضور نبوی کوئی سائل آتا یا آپ سے کسی حاجت کے لیے عرض کیا جاتا تو آپ فرماتے:

قَالَ اشْفَعُوا لَوْجَرُوْا وَيَقْضِي اللّٰهُ لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَاشَاءَ (بخاری)

ترجمہ: لوگو! تم بھی سفارش کرو، تم کو بھی ثواب ملے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا حکم دے گا۔

اس حدیث سے واضح ہوا غریبوں اور محتاجوں کی امداد و اعانت کے لیے سفارش کرنا اور اپنے دوست واحباب کو کسی غریب کی امداد پر آمادہ کرنا کارِ ثواب ہے اور یہ کہ اگر کوئی خود کسی کی امداد نہیں کرسکتا تو کسی اور سے کرادے اس کو بھی ثواب مل جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی مدد میں مصروف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ کسی جائز کام کے لیے سفارش کرنا جائز ہے۔

(۳) حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:۔ خیرات سے ہاتھ نہ روک ورنہ تیرا

لَا تُوکِی فَیُوکِیَ عَلَیْکَ وَقَالَ لَا تُحصِی فیحصی اللّٰہُ عَلَیْکَ (بخاری)

رزق روکا جائے گا (نیز فرمایا) گن کر مت رکھو ورنہ اللہ بھی تجھے گن کردے گا۔

مطلب حدیث یہ ہے صدقہ و خیرات کھلے دل کے ساتھ دینا چاہیے۔ خدا کی راہ میں دی گئی رقم کو گنتے رہنا کہ اتنی رقم دے چکا ہوں؟ پھر اس گنتی کو بوجھ بنا کر صدقہ و خیرات سے رک جانا ٹھیک نہیں ہے۔ خدا توفیق دے تو اللہ کی راہ میں بال حساب دیجیے۔ اللہ تعالیٰ بھی بے حساب ہی عطا فرمائے گا۔

کافر کو نیکی کا دنیا ہی میں اجر مل جاتا ہے: حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ میں نے بحضور نبوی عرض کی۔ یارسول اللہ کفر کے زمانہ میں جو میں نے نیکیاں کی ہیں۔ جیسے صدقہ و خیرات غلام آزاد کرنا اور صلہ رحمی تو کیا ان کا بھی اجر ملے گا۔ حضور نے جواب دیا۔

اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا سَلَفَ مِنْ خَیْرٍ (بخاری) اسلام لایا تو بسبب ان نیک اعمال کرے جو تو نے پہلے کیے

واضح ہو کہ کافر کا کوئی کام آخرت میں کام نہیں آتا۔ خواہ وہ کتنی ہی نیکیاں کرے۔ آخرت میں اس کا ثواب نہیں ملتا۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کافر کے نیک اعمال کی جزا دنیا میں دے دی جائے۔ مثلاً اس کا رزق بڑھا دیا جائے یا دنیا کی عزت اسے حاصل ہو جائے۔ حدیث زیر بحث کا مطلب یہ ہے کہ تو نے جو اسلام قبول کیا ہے تو یہ برکت ہے تیرے ان نیک اعمال کی جو تو نے حالت شرک و کفر میں کیے تھے۔ چنانچہ حضرت انس سے مرفوعاً مروی ہے:۔

اِنَّ الکَافِرَ یُثَابُ فِی الدُّنْیَا بِالرِّزْقِ عَلٰی مَا یَفْعَلُہٗ مِنْ حَسَنَۃٍ (مسلم)

ترجمہ: کافر کو اس کی نیکیوں کا رزق کی زیادتی کے ساتھ دنیا میں ثواب دیا جاتا ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۳۳۵)

صدقہ موجب رضاء الٰہی ہے: اور وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا تو بہت

جلد ہم اسے آسانی مہیا کریں گے اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا اور سب سے اچھی کو جھٹلایا تو بہت جلد ہم اسے دشواری کو مہیا کریں گے۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى الخ

(قرآن مجید)

یہ آیتیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئیں جن میں ایک صدیق اکبر اتقی ہیں اور دوسرا امیہ بن خلف اشقی۔ یہ حضرت بلال کو جو کہ اس کے ملک میں تھے، دین اسلام سے متحرف کرنے کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا۔ اور انتہائی ظلم اور سختیاں کرتا تھا۔ ایک روز حضرت ابو بکر نے دیکھا کہ امیہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرم زمین پر ڈال کر تپتے ہوئے پتھر ان کے سینہ پر رکھے ہیں اور اس حال میں بھی کلمہ ایمان ان کی زبان پر جاری ہے آپ نے امیہ سے فرمایا۔ اے بدنصیب ایک خدا پرست پر یہ سختیاں؟ اس نے کہا۔ آپ کو اگر اس کی تکلیف ناگوار ہو تو خرید لیجیے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گراں قیمت پر بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس میں بتایا گیا کہ تمھاری کوششیں مختلف ہیں۔ یعنی حضرت صدیق اکبر رضائے الٰہی۔ کے طالب ہیں اور امیہ حق کی دشمنی میں اندھا۔

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی لوگ صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے اترتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وعِوَضًا الٰہی راہ خدا میں خرچ کرنے والے کو اس کا عوض عطا فرما۔

نفلی صدقات رشتہ داروں کو دیجئے: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اہل قرابت کو دینے سے دوہرا ثواب ہوتا ہے ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔ وَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهٗ اَجْرَانِ الْقَرَابَةُ وَالصَّدَقَةُ

(بخاری)

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت ابو طلحہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ مالدار تھے۔ ان کے باغات تھے اور ان سب میں ان کو بیرحا کا باغ بہت پیارا تھا جو کہ مسجد کے سامنے تھا۔ حضور علیہ السلام بھی اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس کا پاکیزہ پانی نوش فرماتے۔ جب آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ......الخ نازل ہوئی تو ابو طلحہ کھڑے ہوئے۔

عرض کی یارسول اللہ! اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ تم ہرگز بھلائی کو نہیں پہنچیں گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو۔ اور مجھے اپنے سب مالوں میں بیرحا زیادہ پیارا ہے اور اس کو میں اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔ اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھ کو اس کا ثواب عطا فرمائے گا اور میرے لیے آخرت میں ذخیرہ ہوگا۔ یارسول اللہ آپ جس کام میں مناسب سمجھیں اس کی آمدنی خرچ کیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

یہ تو بڑے فائدے کا مال ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔

فَقَالَ اَبُو طَلْحَۃَ اَفْعَلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ نَقَسَّمَھَا اَبُوْ طَلْحَۃَ نِیْ اَقَارِبِہٖ وَ بَنِیْ عَمِّہٖ. (بخاری)

ترجمہ: ابوطلحہ نے کہا بہت خوب میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ پھر اس باغ کو اپنے عزیز واقارب اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔

حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن عیدگاہ تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد آپ نے وعظ کیا اور عورتوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت ابن مسعود کی زوجہ زینب بحضور نبوی حاضر ہوئیں اور عرض کی میرا کچھ زیور ہے اس کو خیرات کرنا چاہتی ہوں لیکن میرے خاوند ابن مسعود کہتے ہیں کہ وہ اور اس کا بیٹا اس خیرات کا زیادہ حقدار ہے۔ ان سب لوگوں سے جن پر تو خیرات کرنا چاہتی ہے۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ زَوْجُکِ وَوَلَدُکِ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِہٖ عَلَیْھِمْ (بخاری)

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ابن مسعود ٹھیک کہتے ہیں۔ تیرا خاوند اور تیرا بیٹا سب لوگوں سے جن پر تو خیرات کر چکا ہے زیادہ حق دار ہیں۔ (بخاری)

یہ سب حدیثیں صدقہ نافلہ سے متعلق ہیں۔ کیونکہ احناف کے نزدیک بیوی کو اور اصول وفروع کو صدقات واجبہ (زکوٰۃ وفطرانہ) نہیں دے سکتے۔ نیز حضرت زینب کا بحضور نبوی یہ عرض کرنا کان عندی حلی لی کے الفاظ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کا یہ صدقہ نفلی تھا۔ بہر حال اس حدیث سے واضح ہوا کہ رشتہ داروں پر خیرات کرنا خصوصاً جبکہ وہ نادار وغریب ہوں حتیٰ کہ اپنے خاوند اور بیٹے کو دینا بہ نسبت دوسروں کے دینے کے افضل ہے۔

بیوہ کو زکوٰۃ دینے میں احتیاط کیجئے: یتیموں اور مسکینوں کو صدقہ وخیرات دینا افضل ہے۔ کیونکہ یہ امداد

کے مستحق ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ کی رقم اگر یتیم کو دی جائے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ خود مالک نصاب نہ ہو۔ بہت سے یتیم اور بیوہ عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو نام کو تو یتیم و بیوہ ہیں لیکن وہ خود مالک نصاب ہوتے ہیں انہیں زکوٰۃ و صدقات نہیں دیئے جاسکتے۔

.................................×.................................

ارشادات اعلیٰحضرت بریلوی قدس سراہ العزیز: جس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہوا سے حرام وممنوع کہنا شریعت مطہرہ پر افتراء کرنا ہے۔ ہر جگہ صرف زبانی ادعا سے کام لیا، مگر یہ وہی جہالت نتیجہ وسفاہت فضیحہ ہے۔ جس میں فرقہ جدیدہ طائفہ حادثہ قدیم سے مبتلاء۔ مشابہت مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ اسی امر میں ممنوع ہے جو کام فی نفسہٖ شرعاً مذموم ہو۔

☆ بدعت وضلالت وہی ہے جو بات دین میں نہیں، پیدا ہو اور دنیوی رسوم وعادات پر حکم بدعت نہیں ہوسکتا۔ مثلاً انگرکھا پہننا، پلاؤ کھانا یا دولھا کو جامہ پہنانا، دلھن کو پالکی میں بٹھانا۔ اسی طرح سہرا کہ اسے بھی کوئی دینی بات سمجھ کر نہیں کرتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ احادیث! اعلیٰ ندا منادی کہ قرآن وحدیث میں جن باتوں کا ذکر نہیں نہ ان کی اجازت ثابت نہ ممانعت وارد، وہ اصل جواز پر ہیں۔ بالجملہ یہ قاعدہ نفیسہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ قرآن وحدیث سے جس چیز کی بھلائی یا برائی ثابت ہو وہ بھلی یا بری ہے اور جس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہو وہ معاف، جائز ومباح ورواا ور اس کو حرام وگناہ ونادرست وممنوع کہنا شریعت مطہرہ پر افتراء۔

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال و هذا حرام لتفتروا علی الله الکذب ان الذین یفترون علی الله الکذب لایفلحون۔ (انہار الانوار ص ۱۴)

ترجمہ اور اے مفتیو نہ کہو جو تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں۔ یہ حلال ہے یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بے شک جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہوتا،

☆ صلاۃ الاسرار کو بلا دلیل شرعی ممنوع کہنے والے کے متعلق لکھتے ہیں:۔ قرآن وحدیث کے خلاف بتانا محض

بہتان وافتراء ہرگز ہرگز قرآن وحدیث میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، نہ مخالف کوئی آیت یا حدیث اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کر سکا، ہر جگہ صرف زبانی اوعا سے کام لیا۔ مگر یہ وہی جہالت قبیحہ وسفاہت فضیحہ ہے جس میں فرقہ جدیدہ طائفہ حادثہ قدیم سے مبتلا (انہارالانوار ص ۱۴)

☆ رہی مشابہت، تو وہ مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ اس امر میں ممنوع ہے جو فی نفسہ شرعاً مذموم ہو یا اس قوم کا خاص شعار ہو یا خود فاعل کو ان سے مشابہت پیدا کرنی ہو، ورنہ زنہار وجہ ممانعت نہیں۔ لاکھوں باتیں ہیں جن کے کرنے میں اہلسنت اور روافض بلکہ مسلمین وکفار یکساں ہیں۔ کیا وہ سب اس وجہ سے ممنوع ہو جائیں گی۔ ہرگز نہیں۔ دیکھو شامی۔

☆ حدیث: من تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ پیش کرنا اور یہ کہنا کہ ہندو بھی سہرا باندھتے ہیں تو ان سے مشابہت نکلے گی۔ محض غلط کہ حدیث میں لفظ تشبہ مذکورہ ہے اور اس کے معنے اپنے آپ کو کسی کے مشابہ بنانا تو حقیقۃً یا حکماً قصد مشابہت پایا جانا ضرور ہے۔ مثلاً ایک شخص کوئی فعل خاص اس نیت سے کرے کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو۔ اگر چہ وہ یہ ارادہ نہ کرے۔ مگر وہ فعل شعار کفار اور ان کی علامت خاصہ ہو جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں۔ جیسے سر پر چوٹیاں،، تھے پر ٹیکا، گلے میں جیئوا، الٹے پردے کا انگرکھا وعلی ہذا القیاس۔ تو بے شک ان صورتوں میں ذم وعید وارد۔ اور حدیث من تشبہ اس پر صادق۔ نہ یہ کہ مطلقاً کسی بات میں اشتراک موجب ممانعت ہو۔ یوں تو انگرکھا ہم بھی پہنتے ہیں۔ ہندو بھی پہنتے ہیں پھر کیا اس وجہ سے انگرکھا ہم پر حرام ہو جائے گا۔ اور اگر پردے کا فرق کفایت کرے تو کیا خلیکوں اور بنی کا نہ ہونا اور اس سہرے کی صورت ان کے سہرے سے جدا ہونا کافی نہ ہوگا۔

☆ اصل بات یہ ہے کہ بر بنائے تشبہ کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا قصد مشابہت ہو۔ یا وہ فعل اہل باطل کا شعار وعلامت خاصہ ہو۔ جس کے سبب سے وہ پہچانے جاتے ہوں یا اگر خود اس فعل کی مذمت شرع مطہر سے ثابت ہو تو برا کہا جائے گا ورنہ ہرگز نہیں۔



خلیفہ شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی

خلیفہ اعلیٰ حضرت امام شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی

بانی مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

خلیفہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز